

ناولٹ

باہر جھانکنے لگیں۔
گاڑی نہر کے بل پر سے گزر رہی تھی۔ کناروں پر
ایسا وہ بلند دیوالا شیشم کے درختوں پر دھیرے دھیرے
خزاں کا موسم سرایت کر رہا تھا۔ ان کے زرد نم پتے
ٹوٹ ٹوٹ کر نہر کے پانیوں پر گرتے اور ہلکورے لیتے
تھے۔ بوڑھا ٹیکر کا درخت اب بھی ہمیشہ کی طرح جھک
کر نہر کے بڑے حصے کو اپنی شاخوں میں گھیرے سرخ
گدے نہر کے پانیوں سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اس
کی بوڑھی شاخوں میں اب بھی چڑیوں کے گھونسلے
جھانک رہے تھے۔
یہ موسم سرما کا آغاز تھا۔

تو ثابت ہو گیا کہ یہ اک سفر لا حاصل تھا۔
انہوں نے اک طویل سانس لے کر سر ہوا کی
خفگی کو اپنے اندر جذب کیا۔
اور اب پھر سے سفر لا حاصل درپیش ہے اور کھیل
میں کیا کھویا کیا پایا کا سوال انہیں اپنا خاں دامن کس
کو دکھاؤں گی۔
گاڑی کے سامنے اسید بریکر آگیا تھا۔ ایک جھٹکے
نے انہیں سوجھ بوجھ کے گرداب سے کھینچ نکالا۔
انہوں نے اس کی طرف دیکھا اور گاڑی سے

اواکل سرما کی خنک خزاں زندہ سوج کا سورج سرخ
تھال کی طرح جل دی بوڑھے کے عقب سے بلند ہو رہا تھا۔
انہوں نے گاڑی کا شیشہ ہٹا دیا۔ ہانیہ نے ذرا
حیرت سے انہیں دیکھا اور پھر سے باہر نظریں
بمادیں۔ اوس میں بھی خنک ہوا کے جھونکے ایک دم
بڑھ کر انہیں اپنے دھار میں لینے لگے۔
اک کپکپی سی ان کے وجود پر چھا گئی۔
براؤن کشمیری شال اپنے شانوں پر پھیلاتے ہوئے
انہوں نے گردن کھما کر ہانیہ کو دیکھا وہ دونوں ہاتھ گود
میں دھیرے کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔
”ہانیہ۔“ انہوں نے دھیرے سے پکارا۔

وہ سنی ان سنی کر گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور
سوئی ہوئی سی تھیں۔ چہرے پر خفگی کے ساتھ ساتھ
چمکنے کے اثرات بھی نمایاں ہو گئے تھے۔



ہوتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہی کہ میں نے چڑھا دیا۔
 "تھیک ہوں میں۔" وہ انہوں کا زاویہ بدلے بغیر
 بولی تھی۔

"تم جانتی ہو نا وہاں کون کون رہتا ہے۔" ان کا دل
 باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا شاید وہ گھر پہنچنے سے پہلے
 ہائیڈرو ٹھیک کرنا چاہتی تھیں۔

"ہاں۔"
 "مجھے کچھ نہیں پتا مانا! آپ مجھے اس سے قبل بھی
 نہیں لائیں۔" وہ سیٹ سے لہجے میں ان کی بات
 کاٹ لئی۔ یہ ایک بیل کو خاموش رہ گئیں۔
 "تسارے بیا نہیں چاہتے تھے کہ تم ان سب سے
 ملو۔" انہوں نے اس کی تسلی سے بتایا تو ہائیڈرو نے گرجن موز
 کر کے جد جہت سے اس کی تسلی کی۔
 "بیا نہیں چاہتے تھے؟" اس کے لہجے میں بے
 چینی تھی۔

"وہاں تساری نانو ہوں گی۔ جنہیں سبیل بی جان
 کہتے ہیں تسارے ساموں منگور غوث شمالی شاہد ان
 کہتے ہیں۔"

"مانا وہاں جا رہے ہیں تو مل اہل کی۔" عالیہ اس کی
 حیرت اس کا سوال بکسر نظر انداز کرتی تھیں۔ ہائیڈرو کو
 اچھا نہیں لگا تو بات کاٹ کر رکھائی سے بولی گئی۔
 عالیہ ایک بل کو خاموش ہو گئیں۔ گاڑی شرکی
 حدود سے باہر نکل آئی تھی۔ اکاؤنٹالٹ اور باغات
 کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"یہ پینڈول پمپ بھی تسارے ساموں کا ہے۔"
 ہائیڈرو نے نظر اٹھا کر ذرا کی ذرا پینڈول پمپ کی سرخ
 عمارت کو دیکھا اور سامنے نظر میں ہماویں۔ کوئٹہ کی
 سیاہ اوس میں بھی سڑک اوپے اوپے درختوں میں
 گھری تھی۔ اسے یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا وہ
 پوچھنے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا انکل منظور گاؤں میں رہتے ہیں۔"
 "گاؤں اور شہر کے سنگم پر ویسے تم انہیں ساموں
 کو مٹی تو انہیں اچھا لگے گا۔" عالیہ نے مسکرا کر اسے

دیکھا۔ اس نے اپنی جواب نہیں دیا۔
 "ان کا اپنا فارم ہاؤس ہے۔" سگھڑے کے باغات
 ہیں۔ ایک پھولی سی جڑی بکھری ہے۔ نیاز فوڈ فیکٹری
 وہاں جو سزاور جسم و فیروز بستے ہیں۔

ہائیڈرو احمد نے یہ تفصیل قدرے حیرت سے سنی
 تھی۔ سامنے اسے کبھی یہ سب نہیں بتایا تھا۔
 "فارم ہاؤس میں کھڑے بھی ہیں۔" اس نے
 ایک دم بچھا لہجے میں ہلکا سا اشتیاق در آیا تھا۔ یہ
 سب اسے ایک دم سے ہزارہینشک سا لگا۔ عالیہ
 مسکرا دیں۔

"نہیں بابا کے زمانے میں تو تھے بعد میں کسی کو
 شوق ہی نہیں رہا۔ یہ بھی سب سے کہ یہ فارم ہاؤس اور
 باغات بچ رہے۔ رامنش آری میں چلا گیا۔ دانش ہائر
 اسٹڈیز کے لیے امریکا چلے گئے۔ یہاں تو بس شیراز
 ہوتا ہے۔"

"نہیں یہ ضروری تو نہ تھا کہ ہم اپنا گھر چھوڑ کر
 یہاں آتے۔" اسے از سر نو یاد آیا۔
 "یہ ضروری تھا۔" ان کا لہجہ بیگانہ اور سیات
 ہو گیا۔
 "آپ بابا کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھیں۔" ہائیڈرو
 گھر چلا گیا تھا۔ آپ دو سال سے پاپا سے الگ اس گھر
 میں رہ رہی تھیں۔

"ہائیڈرو احمد نے بہت سختی سے پکارا تھا۔
 ہائیڈرو نے اب بچھڑا لہجہ غصے میں ہوتی تو
 اسے ہمیشہ ہرے نام سے پکارتی تھیں۔ اس بل جو
 اجنبیت اور غمی ان کے لہجے میں در آتی تھی اس کی
 تسلی کرنے کی وہ محسوس کرتی تھی۔ "میں اس
 موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔"

ہائیڈرو احمد مزید بکھڑا ہوئی۔
 "بھئی کبھی مجھے گناہ ملے! آپ کو مجھ سے ذرا
 محبت نہیں رہی۔" اس کی نگاہیں ابھرتے سورج کی
 نوخیز کرنوں سے ابھری گئیں۔

"تم مجھے یہ احساسات دلاؤ کہ میں نے تمہیں
 اپنے ساتھ لاکر نکلیں گی۔" ہائیڈرو کی طرح اپنے

خلل میں بند ہو گئی تھیں۔ اس کی بات کھلی سنی ہی
 نہیں۔

"آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لانا چاہتی تھیں۔" وہ
 بدگمان ہو گئی۔
 "ایسا کچھ نہیں ہے۔ شاید تم اپنے بابا کے ساتھ
 رہنا چاہتی تھیں۔ میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا
 تھا۔"

"تو آپ مجھے واقعی نہیں لانا چاہتی تھیں۔" ہائیڈرو
 نے ایک طویل سانس لے کر انہیں دیکھا۔ اس سے
 قبل کہ وہ کچھ بولتیں، خاموشی سے ڈرا یونگ کرتا

ہو گیا۔
 "اب کس طرف جانا ہے؟" ہائیڈرو نے پوچھا۔
 سڑک اب تین حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔
 "دائیں طرف مڑ جاؤ۔"

گاڑی نے دائیں طرف رخ موڑا۔ اور اس کے
 ساتھ ہی دور تک پھیلے سگھڑے کے باغات کا سلسلہ
 شروع ہو گیا۔ فضا میں سنگتوں کی کھنٹی میٹھی منک
 شامل تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف سرسبز باغات
 نوخیز درختوں کے دھیرے دھیرے اتر رہی تھیں۔ پائلوں کے
 درخت لدے ہوئے تھے اور سڑک کے کنار پر ہی
 "نیاز فارم ہاؤس" اور "نیاز فوڈ فیکٹری" کا بورڈ آویزاں
 تھا۔ اور جلد ہی اس کی نگاہوں کی گرفت میں آئے۔

تھا شاہد درختوں میں گھرا ہوا بڑے بڑے درختوں اور
 والائوں والا سفید گھر آگیا ہے۔ جس کی بیرونی دیواروں
 پر سفید رنگ کی لکڑی لگی تھی۔ بڑا سا لکڑی کا
 جھولتا ہوا اچھا لگ کھڑا ہوا تھا۔ سرخ اینٹوں کی بنی روش
 کے گرد سفید کے درخت اور ہار سنگھار کے پیرنڈ
 منڈ حالت میں کھڑے تھے۔ وسیع و عریض باغیچے میں
 بھی بے تحاشا آم، امرود، جامن اور کیلے کے درخت
 نظر آ رہے تھے۔ گاڑی چھلکتی ہوئی گول ستونوں والے
 پر آمدے کے ساتھ متصل پورچ میں جا کھڑی ہوئی
 تھی۔

"آجاؤ ہائیڈرو! گھر آگیا ہے۔" عالیہ کے لہجے میں ہلکی
 سی خوشی کی رمت جاگتی تھی۔ ہائیڈرو گاڑی سے نیچے اتر

آئی۔ اس نے ایک نظر پھر سے ڈالت کر باغیچے پر ڈالی
 اس نے ہیٹھ اک چھ دیوہیل ڈیگور ٹیڈ گھر اور ایک بچہ
 سجائے لان میں زندگی گزار رہی تھی۔ مگر اس گھر کے
 پر آمدوں، دروازوں اور درختوں میں قدامت جھلکتی
 تھی۔ اور اس کے باغیچے میں اک خوبصورت بے
 ترنجی نظر آتی تھی۔

"یہاں کے لوگ ماضی پرست ذہن کے مالک لگتے
 ہیں۔"
 یہ سنا خیال اس کے ذہن میں آیا تھا۔ ماما جانی کا
 دو روزہ گھول کر اندر داخل ہو گئی تھیں۔ ہائیڈرو نے بھی
 ان کی تقلید کی۔

"انہو شرابا! تم اتنی ست ہو کہ کیا بتاؤں، تمہاری
 جگہ میں دس کمرے صاف کرتی۔" جینیلا آئی ہوئی
 مترنم آواز ابھری تھی۔
 "تو بی بی! آپ یہ کر لیں، وہ دس کمرے میں صاف
 کرتی ہوں۔" ٹریا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہاں ہوا الو تم سے، جاؤ ماما کے ساتھ کچن میں
 ہاتھ بٹاؤ، ابھی وہ شہزادہ عالم انھہ گئے تو دو ڈیس لکوا دیں
 گئے۔"

ڈرائنگ روم کے بچوں سبز لباس میں ملبوس وہ
 نازک سی لڑکی کہتے کہتے پلنی۔ پھر تھوٹک کر رک
 گئی۔

"عالیہ پیچھو۔" وہ سرے پل وہ ان سے لپٹ گئی
 تھی۔

"پیچھو کی جان! کیسی ہو؟"
 "ایک دم فرسٹ کلاس گھر پیچھو آپ اتنی اچانک
 اور وہ بھی بغیر اطلاع کے۔"

ہائیڈرو قدرے حیرت سے اس لڑکی کا جوش دیکھ رہی
 تھی تب ہی اس کی نگاہ ہائیڈرو پر پڑی۔

"ارے یہ ہائیڈرو ہے نا۔"
 "ہاں اور ہائیڈرو یہ تمہاری کزن سہیل ہے۔" عالیہ
 نے تعارف کروایا۔

"یہ بہت اچھا کیا پیچھو! آپ ہائیڈرو کو لے آئیں۔"
 بچ میں بہت بور ہوئی تھی گھر میں۔ کیوں ہائیڈرو سنی

رہے گی تاہم اس بے تکلفی اور کرمجوشی سے اس نے ہانیہ کا ہاتھ تھام لیا۔

”اوشیور۔“ ہانیہ احمد کو وہ سانپ پر خلوص سی لڑکی اچھی لگی تھی۔ شریا نے جا کر سب کو خبر کر دی تھی۔ تن واحد میں سب کے سب جمع ہو گئے، بی بی جان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ شاہدہ مہمانی بچن سے ہاتھ میں چھری اور پیاز تھامے لپک کر آئی تھیں۔ ماسوں شاید نملنے کے ارادے سے کندھے پر ٹوکے رکھے گھوم رہے تھے۔ کس محبت سے انہوں نے عالیہ اور ہانیہ کو گلے لگا کر پیار کیا تھا۔

”ارے ابھی شاہدہ! کچھ ناشتے کا بندوبست کرو۔“
”اب تو اس سچل ناشتہ بنے گا۔“ وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
”نہیں شاہدہ! اہتمام کی ضرورت نہیں۔“ عالیہ نے رد کیا۔

”میں شیراز کی فرمائش پر آؤں گی کچھ لایا اور پوریاں بنا رہی تھی۔“
”بس تو پھر ہو گیا نا اس سچل ناشتہ۔“ عالیہ مسکرائیں۔

”ہاں اور ساتھ میں سوئی اور پٹنوں کا علوہ بناؤ۔“ ایلٹ اور۔

”بس بی بی جان کافی ہے یہ سب۔“ اس کے پاس کہ بی بی جان کچھ اور گنوا میں عالیہ نے روک دیا۔ سب کے سب عالیہ کے گرد جمع تھے۔ ہانیہ کو ایک بل کے لیے اپنا آپ فالٹو سا گلابی کوئی آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔

”کہاں ہیں؟ کہاں ہیں؟ ہماری بیماری اور اکلوتی پیچھو جانی ہائیں۔“ وہ ایک جھٹکے سے روکا اور تھیر سے بولا۔

”یہ پیچھو کی شکل شریا سے کیسے مل گئی؟“
”تو یہ ہے شیراز بابو۔“ دروازے کے عین درمیان کھڑی شریا سر پر ہاتھ مار کر باہر نکل گئی۔
”پیچھو۔“ وہ لپک کر قریب ہوا ”یا اللہ یہ میری نظروں کا دھوکا یا اللہ کی قدرت ہے۔“

اس نے پلکیں جھپک جھپک کر ہانیہ کو دیکھا۔
”لاہور سے چچا وطنی آتے آتے یہ کیا جادو ہوا کہ پیچھو پھر سے یک ہو گئیں۔“ می ایک چکر لی بی جان کو بھی لگوا دیں۔ ایک دم یک ہو جائیں گی، سچ مجھے بڑا شوق ہے بی بی جان کو عالم جوانی میں دیکھنے کا۔“
”یہ لڑکا تو بالکل ہی پاگل ہے۔“ بی بی جان نے اسے بری طرح گھورا۔

”ڈیڈی ہمیشہ کہتے ہیں کہ میں پورے کا پورا آپ پر گیا ہوں۔“ وہ معصومیت سے گویا ہوا۔
”مجھ پر نہیں اپنی ماں پر پڑے ہو۔“ بی بی جان نے چڑ کر کہا۔

”اسی لیے میں اتنا خوبصورت ہوں۔“ وہ خوش گیا اور پھر ہانیہ کی طرف متوجہ ہوا۔
”میری سمجھ میں نہیں آ رہا اب میں آپ کو پیچھو کیسے کہوں گا۔“ کان کھاتے ہوئے وہ کچھ پریشان نظر آیا۔

”احتمال لڑکے! میں یہاں ہوں۔“ عالیہ نے ہنستے ہوئے عقب سے اس کے سر پر چیت لگائی۔
”اے پیچھو! وہ پلانا اور ان سے پست کیا۔“
”پیچھو! اس کمرے میں صرف میں آپ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہوں۔“

”سفید جھوٹ۔“ سیمل فوراً بول اٹھی۔
”ان کی باتوں پر مت جائے گا۔ یہ سب مجھ سے ہے۔“

”ہاں! تم تو شہزادی ڈیانا ہونا۔“ بی بی جان چڑ کر بول اٹھی تھیں۔ سب کے لبوں پر بکھرنے والی مسکراہٹ اتنی بے ساختہ تھی کہ وہ سر ہینٹ کر رہ گیا۔ بی بی جان نے ایک دفعہ ڈیانا کوئی وی پردیکھ لیا تھا شیراز نے ہی اس کی تعریف میں نشن و آسمان کے فلا بے ملائے تھے۔

”آپ شہزادہ چارلس کہہ لیں۔ اگرچہ کہاں وہ کہاں ہم۔“ خگل سے کہتے کہتے آخری جملہ وہ شوخی سے کہہ گیا تھا۔
”نہ بھو بھی سے خیریت پوچھی نہ کچھ اور“ آتے ہی

پنی اونگی ہو گئی حرکتوں پر اتر آئے۔
”شاہدہ! پتا نہیں تمہارا یہ لڑکا کس پر پڑا ہے۔“ بی بی نے گھورا۔
”آپ پر۔“ وہ اطمینان سے کہہ کر عالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

”پیچھو! یہ رو بھی حسینہ کہاں مل گئیں آپ کو؟“
اس کی شرر نگاہوں نے ہانیہ کو فوکس کیا۔ تب ہی منظور غوث صاحب نے کھنکار کر گویا اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

”اف۔“ وہ جھٹ زبان دانوں تلے دبا کر سیمل کی طرف پلٹا۔
”بتا نہیں سکتی تھیں آپ کی ڈیڈی یہیں ہیں۔“
”تم نے اپنی آنکھیں کسی کو ادھار دے رکھی ہیں کیا؟ اور میں ڈیڈی کے صبر کی انتہا دیکھ رہی تھی۔“ وہ مزے سے بولی۔

”شیراز! یہ بات ہے اور ہانیہ یہ شیراز اور تم اس کی سمجھتی میں بالکل بڑبڑ نہیں ہوگی۔“
عالیہ نے تعارف کرایا اور بی بی جان کے پاس جا بیٹھیں۔ وہ لوگ اپنی باتوں میں مگن ہو گئے۔ سیمل کو شاہدہ مامی نے اپنی ہڈی کے لیے ریکار لیا۔ شیراز کچھ مجھے کھڑا ادھر ادھر ہوتا ہوا پھر اس کے پاس آ بیٹھا۔

”ہائے مس ہانیہ! میں شیراز ہوں اور بہت خوبصورت ہوں۔“ یہ گویا تمہید تھی ہانیہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا تو اس نے فوراً وضاحت کی۔

”ذرا اصل یہاں سب لوگ بہت خوبصورت ہیں۔“ اس لیے مجھے ہمیشہ بتانا پڑتا ہے کہ میں بھی ہوں، آپ اسے خود فریبی مت سمجھئے گا۔ میں ہمیشہ حقیقت بیان کرتا ہوں۔“

اس کے ہونٹوں پر شرر بچوں کی سی مسکراہٹ تھی۔ کھڑی ٹاک سپید رنگت، جاذبِ نظر نقوش اور چمکتی ہوئی ذہن آنکھیں۔ بلاشبہ وہ خوبصورت نوجوان تھا۔ ہانیہ مسکرا دی۔

”ہانیہ جی۔!“
”تم مجھے آپ کی کہہ سکتے ہو۔“ ہانیہ کو اس کا بات

کرنے کا بے ساختہ انداز اچھا لگا تھا اس کے خیال میں ایسے لوگ منافق نہیں ہوتے۔

"نہ ایک اور آپلے اللہ میاں جی۔" اس نے سراٹھا کر بیوی سے کسی سے اور دیکھا "کب میں ہونا ہوں گا آخر مجھے کب ان آبیوں کے چنگل سے نجات ملے گی۔ ایک بات تو بتائیں بانیہ۔" وہ ایک لمحے کو رکنا یہ ہر لڑکی مجھے دیکھتے ہی بھائی کیوں بناتی ہے۔ کیا میرے چہرے پر بھائی بن چکا ہو گیا ہے۔"

وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے فکرت سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں۔" بانیہ مسکرا دی۔

"لیکن یہ پر اہم تو ہے نا اس طرح تو میں کتوارہ جاؤں گا۔"

جس فکر اور بے بسی سے شیراز نے کہا تھا بانیہ بے ساختہ ہنس دیتی تھی۔ اس کی ہنسی کی آواز پر بانیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا اور قدرے مطمئن ہو گئیں۔ انہیں معلوم تھا شیراز کی باتیں بانیہ کا ذہن بھٹائیں گی۔ بانیہ بھی سب کچھ بھل کر شیراز کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گئی تھی۔

"تم فکرت نہ کرو تمہارے لیے ہم بہت اچھی سی لڑکی دھونڈیں گے۔"

"رنگی۔" شیراز اچھل پڑا اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"وہہ کریں۔" اس نے ہاتھ پیچا لیا۔

"وہہ بھئی۔"

"شیراز۔" شاہدہ مائی نے آگے بڑھ کر جھنجھوڑا پکارا۔ "تم ابھی تک بانیہ کے کان کھا رہے ہو؟"

"دونوں اپنی جگہ پر موجود ہیں۔" وہ دونوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"بانیہ کو سیمل کے کمرے میں لے جاؤ وہ فریض ہوئے تو پھر ناشتہ کرتے ہیں۔"

"آئیں آئی! آپ کو کمرہ دکھاؤں پھر مجھے ذرا ناشتہ کا جائزہ بھی لینا ہے۔"

شیراز نے کہا تو وہ اس کی سمیت میں سیمل کمرے میں آگئی۔ شاہدہ مائی نے اس کا سوٹ دیکھ کر بھی سیمل کے کمرے میں ہی رکھوا دیا تھا۔

"اچھا رہے گا۔" وہ جوں جوں آنے کے خیال سے ہی خائف تھی اب قدرے سہولت سے سوچ رہی تھی۔ "بہت فریک اور محبت کرنے والے لوگ ہرگز آئی فتنک میں یہاں سیٹ ہو جاؤں گی۔ ماما بھی ہر خوش دکھائی دیتی ہیں۔ مگر میرے ساتھ ان کا مدیہ بہر بدل سا گیا ہے۔ کبھی ایک دم مہیاں تو کبھی ایک دم ابھی۔ حالانکہ میں نے کب چاہا تھا کہ بیسیکٹڈ میرا کریں۔ یا شاید ماما کے اسی رویے نے ایسا کو ان سے کر دیا۔"

شاور لیتے ہوئے اس کی سوچیں پاپا اور اس گھر کے کمپنوں کے درمیان کھومتی رہی تھیں۔

"خدا کا آپ اتنی سوری میں نہ لیں؟"

شیراز کی قہقہہ بھری آواز پر کیلے بالوں میں چلتی اس کی انگلیاں رک گئی "اس نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرائی۔

"آئی میری شہناز! کمال ہوئی ہے۔"

"ایسا آپ کی کمال چڑے کی ہے۔ حترمہ و مہربان ہونا چاہئے۔"

شیراز کی باتوں پر بالکل مت جانا اس کا ایک ہی اصول تھا۔ سہراؤں کے شروع میں نہالوں اس کے بعد باری گرمیوں کے آغاز میں آتی ہے۔ اس کے پیچھے سیمل اندر داخل ہوئی۔

"میں تو صابن ہائی کا خرچہ بچاؤں۔" وہ ڈھٹائی سے کندھے اچکا کر دلا قند۔

"ہاں اک آئی جانے میں جیت۔ جیتی ہے میں جس ناشتہ کے لیے جانے آئی تھی بانیہ سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔" سیمل نے کہا بانیہ نے ڈرنگ روم نعلی کے سامنے کمرے میں کھل جائے۔

"چلو تم لوگ میں آئی ہوں۔" اس نے بیگ سے نکالی چیزیں بکرت اور فم میں سیمل نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ دلا۔

"رہے۔" ابھی میں تمہارے لیے اپنے ساتھ والا کمرہ سیٹ کر لوں گی۔"

"ساتھ والا۔" شیراز جھجھکیا "وہ کمرہ میرا ہے۔"

"اب نہیں ہے۔" سیمل اطمینان سے بولی "تم اپنا سامان اٹھا کر کہیں بھی دفع ہو جاؤ۔"

"بابا ہر بار میں ڈیر اڈال لوں۔" وہ بھٹنا کر بولا۔

"بھید شوق۔" اس نے مزے سے کہا اور بانیہ کا ہاتھ تھام لیا۔ "آؤ چلیں۔"

"میں پیچھے ہیں خیمہ ڈال لوں گا۔"

"ضرور ضرور میں بھی مذاق نہیں کر رہی۔"

"مجھے ٹھنڈ بھی لگ سکتی ہے۔"

"مشکل ہے کینڈے کی کھال ہے۔" اس نے مزے سے کندھے اچکا۔

"یہ یہ میری آئی ہیں؟" شیراز نے بانیہ کی کچھ کر گویا شکایت کی تھی۔

"کیوں ڈسٹرب کر رہی ہو اسے سیمل! میں کہیں بھی رہ لوں گی۔" بانیہ نے کہا اس نے فٹ سے نفی میں سر ہلادیا۔

"ایسا لگتا نہیں تم میرے ساتھ والے کمرے میں ٹھہرو گی۔"

"تو دائیں طرف والا کمرہ لے لو۔" شیراز نے فوراً مشورہ دیا۔

وہ رامش بھائی کا ہے اینڈ نو نو وہ جب بھی واپس آتے ہیں اپنے کمرے میں ہی چھپ جاتے ہیں۔ سیمل نے کہا تو وہ کمرے میں چل کر بائیں طرف دیکھنے لگی۔

"او کے ڈیر سسٹر! تمہارے لیے یہ کام بھی کرنا پڑے گا۔"

"تھنک یو شیراز۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔"

بانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"تھنک گاؤ کسی نے میری اچھائی کو تسلیم تو کیا۔"

اب چلیں ناشتہ پر ہمارا انتظار ہو رہا ہے۔" شیراز نے ہاتھ پھیلا کر کہا تو وہ دونوں آگے چلی گئیں۔

♥ ♥ ♥ ♥

"آخر تمہیں بانیہ کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت

تھی۔؟"

بانیہ کے اٹھتے قدم ساکن ہو گئے اور ساتھیوں ہم تن گوش ہو گئیں۔ وہ کبھی تھی سب لوگ اس کے آنے پر خوش ہیں۔ مگر یہ بی بی جان تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔

"آپ بھی ایک بات کو لے کر بیٹھ گئی ہیں بی بی جان! اب چھوڑیں بھئی۔ منظور ماموں کی جھنجھائی ہوئی آواز آئی تھی۔ وہ فکرت سے کہہ ماما کچھ کہیں کی ٹر اس کی جگہ پھر سے بی بی جان کی آواز ابھری تھی۔

"مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس شخص کی اولاد کو کیوں ساتھ لیے بھرتی ہے۔"

"تو یہ لوگ ماما کے کئے کی سزا تھے دیں گے۔" اس کے دل وہ مایوس لگتا تھا۔

"بی بی جان! میرا تو خیال ہے اب اس ٹاپک کو بند ہی کر دیں تو بہتر ہے۔" ماما کی آگاہی آواز آئی تو بات بدل گئی۔

"میں ذرا ٹیکٹری جا رہا ہوں۔ شیراز اٹھے تو اسے بھی بھجوا دیا۔ سارا دن ادھر ادھر گزار دیتا ہے۔ ذرا ہمدار نہیں ہے یہ لڑکا منظور ماموں اٹھے تھے۔

"سارا دن تو گھسار رہتا ہے تمہارے ساتھ بی بی جان خود جو بھی مرضی کہہ لیں کسی دسرے کو نہیں کہنے دیتی تھیں۔ بانیہ پلٹ گئی۔ برآمدے کے اختتام پر ہی کچن کا دروازہ کھلا تھا۔ کھانے کی اشتہاء انگیز خوشبو باہر تک آرہی تھی۔ وہ بلا ارادہ ہی اندر داخل ہو گئی۔

"آؤ بانیہ! آج تو بہت سوئیں۔" شاہدہ مائی نے آہٹ پر پلٹ کر دیکھا۔

"جی۔ سیمل کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں پر تھ رہی ہو گی۔" انہوں نے مکر میں گوشت ڈالا۔ ایک دو بار چلا کر ڈھک دیا اور خود موبل کش۔ کرنے لگیں بانیہ یونہی دروازے کے ڈیرائن پر انگلی پھیرتی نجانے کیا سوچنے لگی تھی۔ شاہدہ ممانی نے خاموشی محسوس کر کے پلٹ کر دیکھا۔

"کیا سوچنے لگیں بانیہ۔؟"

بانیہ جو کئی۔ پھر سر جھٹک کر ان کے پاس آگئی۔

”میں کچھ پھیل کر آؤں۔“

”تمہیں کوئی آتی ہے۔“ کئی ہوئی سولی انہوں نے دی میں کھسکی۔

”میں آتی تو نہیں۔“ ہانیہ نے قدرے شرمندگی سے کہا تو مسکرا دیں۔

”کوئی بات نہیں، میں تمہیں سکھا دوں گی۔“ انہوں نے محبت سے ہانیہ کو دیکھا۔ چند دن ہوئے تھے اسے یہاں آئے ہوئے مگر انہیں وہ بہت سنبھلی ہوئی اور باری لگی تھی۔

”آپ بہت مزے کا کھانا بناتی ہیں۔“ ہانیہ نے ستائشی لہجوں سے انہیں دیکھا۔ بہت کیوت اور یکساں سی قسمی جس شانہ آئی کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ وہ اتنے بہت بچوں کی ماں ہیں۔

”کیا کریں مجھ کو یہ سب۔“ بی بی جان سے لے کر شیراز تک ہر کوئی اچھا کھانے کا شوقین ہے۔ پھر ہر کسی کی انگلیاں اب کوئی کام ہی نہیں رہا۔ جب دانش اور شہزادہ سال ہوتے تھے تو میرا سارا سارا دن کچن میں گزرتا تھا۔ سب سے کم تک مجھے رامنش نے کیا سہا ہائی دونوں تو شیطان تھے پورے۔

”یہ دور تھے اور ہر مل یا آتے تھے ہانیہ ان کے لیے میں ماما کی تربیت کو پوری طرح محسوس کر سکتی تھی۔ شانہ آئی کافی بڑے موضوع شروع ہو گیا تھا سو وہ بولتی پھلتی تھیں۔ دانش کی شرارتیں، شیراز کی معصومیت، رامنش کی شجیدگی۔

ہانیہ کے بے کل من میں وہ حد چھانے لگی۔

”تو مینے گزر گئے۔ ملا کے لیے میں میرے لیے نہ ایسی تربیت ہوتی ہے نہ باریاں۔“ ہانیہ نے گہری سانس لی۔

”اس کی سوجھ بوجھ کی رات اور انا کو شیراز کی تدبیر پلانا تھا۔“

”بس بہت ہو گیا۔ میرے ساتھ۔“ ہانیہ نے اب اجازت دی۔ ”وہ بڑے غصے میں تھا۔“

”میں نہیں دے رہی۔“ انہوں نے صاف کہہ دیا۔

”اف اس گھر میں میری کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

”اس گھر میں کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

UrduPhoto.com

ابو محمی ڈیڑھ کی
ہو جاؤ ریڑھی

جس سے میری شاوی ہوگی

آج میں نے وہ لڑکی بھونٹ لی ہے

شیراز کی گنگنا نہیں مریں پر تھیں۔ ام کے سائے

میں جھولے پر اونڈ حارزاون کب سے کی گانا گارہا تھا۔

"یہ کھٹے بھر سے تھیں تو انہیں دے رہے ہو

مجھے۔" آئی شادی اون سلائیوں ہاتھ میں لیے بڑی

فرصت میں بائیس کی طرف نکل گئیں۔

"ہائیں۔" اس کے بھنے کو بریک لگ گئی۔

"آپ کو نہیں پکار رہا تھا گانا گارہا ہوں۔"

"مجھے تو وال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔" سیمل نے

بانیہ کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

"اقتب! آپ نے آج وال پکائی ہے۔" وہ جھنجھلا

کرا تھا۔

"تو وال تمہیں کاتی ہے کیا؟"

لیلی جان کو وال بست پسند تھی تب ہی ذرا گھور کر

کہا۔ وہ سب کی سب بڑی فرصت میں سانس بٹھنے اور

خاندان بھر کے معاملات سکس کرنے آئی تھیں۔

"اوہائی سویت لی لی جان! آپ یہاں۔۔۔ نہیں۔"

شیراز نے انہیں فوراً لندھوں سے تمام کر لکڑی کے

منقش جھولے پر بٹھایا۔

"اب ذرا سوچ کر تھیں کہ میں کس مبارک دن

پیدا ہوا تھا۔"

"پھر وہ دن مبارک کس طرح ہوا؟" سیمل نے

سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہیں کیا معلوم کیسا یادگار دن تھا وہ اس دن تو

چھٹی ہو جانی چاہیے تھی۔" وہ خوش سے بولا۔

"بالکل لوگ سائے اسی طرح یاد رکھتے ہیں۔"

سیمل نے منہ بنا کر کہا۔

"سانچہ کیوں کتنی خوشی منائی تھی ہم نے

سارے خاندان میں۔"

"مالے تقسیم کیے تھے۔" سیمل نے ٹکڑا گایا۔

"مالے تمہاری دفعہ بانٹے گئے تھے میری دفعہ تو

خالص قلاقند تھا۔"

"خیر قلاقند تو نہیں حلوائی کو گھر بلوا کر لندھ بنوائے

تھے۔" لیلی جان نے بتایا۔

"وہ قلاقند موٹا شیدا حلوائی نا۔" سیمل نے شرر سے

لہجے میں پوچھا تو وہ تڑپ کر مڑا۔

"کھانا تھا تو کیا ہوا۔ لندھ تو کالے نہیں تھے۔"

"کس بے معنی بحث میں الجھ گئے تم لوگ؟" عالیہ

نے ٹوکا تو وہ حسب سے لیلی جان کے پاس آ بیٹھا۔

"آپلی خوا خواہ نوک دیتی ہیں آپ بتائیں لیلی جان

میں کب پیدا ہوا ہوں۔" وہ اپنے سابقہ سوال پر واپس

آیا۔

"دن تارن تو مجھے یاد نہیں۔" لیلی جان کی سر دیوں کے

دن تھے۔ مبارک نامو سمجھا۔

"مجھے نہیں تھا۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"مالا نک اس موسم کا تم پر کوئی اثر ہی نہیں لگتا۔"

سیمل کی زبان پھر چھلکی۔

"بری بات ہے بیٹا اچھو نے بھائی کو یوں تنگ نہیں

کرے۔" عالیہ نے بازو سے تمام کر سیمل کو اپنے پاس

کھینچ لیا۔ وہ لکھ اور پھر سے شیراز کی طرف

دیکھ ہوئی۔

"یعنی اب میں پورے تیس برس چار ماہ کا ہو گیا؟"

اس نے عالیہ آئی کے بتانے پر حساب لگایا۔

"لیکن تمہیں اتنی یہ حساب کیوں سوچ رہا ہے؟"

شادیہ آئی نے پوچھا۔ اُن کے ہاتھ تیزی سے سویٹر

بن رہے تھے وہ اون کا گولا ہاتھ میں چھلے کر بیٹھ گیا۔

"ہم! آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ کے بیٹے کے

سر سے کچھ بھول کھلی جائیں۔"

"نہیں میرا دل میں چاہتا۔" وہ بے نیازی سے

بولیں۔

"ہیں۔" اس کا منہ کھل گیا۔ پھر تاسف سے سر

ہلاتے ہوئے بولا "بالہ کسی ظالم میں آپ؟"

"مگر تمہیں یہ سر سے کے پھول کیوں یاد آ رہے

ہیں؟" لیلی جان نے مشکوک نظروں سے اسے

دیکھا۔

"اور ابھی تمہو کا نا بھی گھر ہے تھے۔" بانیہ نے یاد

دلایا۔

"مجھے تو وال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" لیلی کھٹک

گئیں۔

"پھر وہی وال۔" وہ سر قھام کر رہ گیا۔

"کالی ہے نا۔" سیمل نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔" اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ "ہم!"

آپ میری شادی کر دیں۔"

"شادیہ آئی بری طرح چونکیں "دماغ تو

ٹھیک ہے۔" رامش اور سیمل سے پہلے کس طرح

توڑا۔

"تو ان کے انتظار میں کھلی بوڑھا ہو جاؤں۔ ان

مخبرہ کے بیا جانے پر دیس۔" عالیہ نے کب واپس

آئیں اور وہ بڑے بھیا۔ دیکھ لیتا آپ لوگ ایک دن

آکر فرما جائیں گے۔" میری شادی ہو چکی ہے فوج

ہے۔" وہ نکل آتا کر بولا۔ "بلا وجہ فضول۔"

"لی لی جی رامش صاحب کا فون ہے۔" ثریا

پر آئی تھی کھڑی پکار رہی تھی۔

"لوں شیطان کو یاد کرو۔" شیراز سب سے

آگے لڑا تھا۔ سب ہی چلے گئے تھی کہ لیلی جان بھی۔

عالیہ نے جاتے جاتے پلیٹ کر دیکھا۔ بانیہ وہیں

جھولے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ عالیہ بیٹھ گئیں۔

نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"تم یہاں خوش تو ہونا ناں۔"

"آپ کو اس کا لہجہ سپاٹ سا لگا۔"

"سیمل اور شیراز کے ساتھ بہت دوستی ہو گئی ہے

تمہاری۔"

"جی۔" وہ یونہی جھولے کی کڑیوں پر نگاہ جما کر

بولی۔

"تمہارے پیپا کا فون آیا تو انہیں کہہ دینا کہ تم یہاں

بہت خوش ہو اور سب لوگ تمہارا بہت خیال رکھتے

ہیں۔"

بانیہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ وہ نظریں چرا

گئیں۔

"یہ یقین دہانی کرانا ضروری ہے کیا؟"

"ہاں ضروری سمجھ لو۔"

"میرا نہیں خیال آپ کو پیپا کی مرضی کا اتنا زیادہ

خیال کرنا چاہیے۔" عالیہ کو اس کا لہجہ طنز لگا۔

"ہائیں۔۔۔" انہوں نے قدرے بے یقینی سے

اسے دیکھا۔ بانیہ نے ہوا میں اڑتا چا تھا۔

سیمل پر

مسلا اور پھونک مار کر اڑا دیا۔

"ہم گھر کب جائیں گے ماما؟" اس نے اچانک

پوچھا۔

"یہ بھی تو گھر ہے بانیہ!"

"یہ میرا گھر نہیں ہے۔"

"یہ تمہارا بھی گھر ہے۔" وہ زور دے کر بولیں۔

"ماما۔" بانیہ نے جھنجھلا کر انہیں دیکھا۔ "یہ

منظور ماموں کا گھر ہے۔ سیمل اور شیراز کا میرا یا آپ

کا نہیں بھلے وہ کہتے بھی اچھے ہوں مگر ماما میں یہاں

ایزی فیل نہیں کر رہی۔"

عالیہ کے اندر خزاں زور ہواؤں کی سائیں سائیں

کچھ اور بڑھ گئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر بانیہ کو دیکھا تو

ان کی آنکھوں میں امید کا غڈی ناؤ کی طرح ڈول رہی

تھی۔

"اگر میں یہ کہوں بانیہ کہ میں اب اس گھر میں کبھی

واپس نہیں جاؤں گی تو۔"

"آپ پیپا کے ساتھ تعلق تو زور رہی ہیں؟" بانیہ نے

چونک کر انہیں دیکھا اک

کے لیوں پر ابھر کر ڈوب گئی۔

"تعلق تھا ہی کبہ جو ٹوٹ جاتا۔"

"اور میں۔۔۔ میرے بارے میں کیا سوچا ہے آپ

دونوں نے؟"

"تم۔۔۔" انہوں نے سوچتی نگاہوں سے اسے

دیکھا۔

"یا آپ فیصلہ کرتے ہوئے بھول گئی تھیں مجھے

۔۔۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔

عالیہ تڑپ اٹھیں۔ "مجھ سے اس لہجے میں بات

کرنا۔"

مت کرو ہانیہ۔

غیر محسوس طور پر ان کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔
 "ماما! میری راجکم یہ ہے کہ میں جتنی محبت آپ سے کرتی ہوں اتنی ہی پیلا ہے بھی کرتی ہوں۔"
 "نہیں۔" عالیہ نے نفی میں سر ہلایا اور اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ "تم ساری راجکم یہ ہے کہ تم کبھی مجھے اندرا سینڈ نہیں کر سکیں۔ تم نے ہمیشہ احمد کی بیٹی بن کر سوچا ہے۔" ان کے انداز میں وہی اجنبیت دور تکی تھی۔

"ایسا نہیں ہے ماما! آپ کو اگر یاد ہو تو ہم ہمیشہ میں بیٹی سے زیادہ ایک دوسرے کے فرزند زرت تھے۔ مگر اب مجھے لگتا ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے آپ نے پیلا کے ہر لحاظ فیصلے کی سزا مجھے دی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے ہانیہ۔" انہوں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما تھا۔ ہانیہ نے دھیرے سے ان کے ہاتھ الگ کیے۔

"ایسا ہے ماما! اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ جب سے یہاں آئی ہیں آج پہلی بار مجھ سے بات کر رہی ہیں۔"

"ہانیہ! میں ایسا نہیں کرنا چاہتی ہوں مگر۔" "مگر یہ کہ آپ بھی ہر کسی کی طرح پیلا کے ہر فعل کے لیے مجھ کو ذمہ دار سمجھتی ہیں۔"

"ہانیہ۔" وہ ششدر سی رہ گئیں۔ شاید انہیں احساس بھی نہ تھا کہ وہ لاشعوری طور پر اپنے رویے سے ہانیہ کو کس حد تک ہرٹ کر چکی تھیں۔

"بی ماما! اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ بی بی جان کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔" وہ انہیں متحیر اور شرمندہ سا چہرہ دکھانے لگی تھی۔

"یہ آپ کی گھڑی میں سیل ختم ہو گئے ہیں کیا؟" شیراز کے پوچھنے پر وہ چونک گئی۔ بے اختیار گھائی ہو کر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔
 "نہیں پتل رہی ہے۔" شیراز نے اس کے ہاتھ میں سیب کی شکل والی

سرخ ٹرے میں دو بڑے بڑے گریپ فروٹ تھے۔
 "دوسرے ہاتھ میں چھری تھی۔"
 "میں اس گھڑی کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے چھری ہانیہ کے چہرے کے گرد گھمائی۔
 "کیوں تھیک تو ہے۔"

"اکثر ایک ہی وقت بتاتی ہے 'ہائے' داوے کر سوچ میں گم رہتی ہیں آپ؟" تو سیمل کا انتظار کر رہی تھی۔
 "نہیں؟" تو نہیں یاد آرہا ہے۔" اس نے راز داری سے پوچھا۔

"وہ کون؟" ہانیہ نے چونک کر پوچھا۔
 "آئی میں ان کے بارے میں تو کیوں کہے یہ؟" وہ ہنسی چاہتے ہیں۔" ان کا منہ کھلا کر بولا۔

"نہیں میرے کوئی وہ نہیں ہیں۔" ہانیہ ہنس دی۔
 "ملا نہیں اچھے۔" شیراز نے جوش میں ہاتھ ملایا پھر اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔"

اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔" "مگر سیمل تو کسی بھی تھی ال میں کچھ کالا ہے۔" "آئی میں اس کے بارے میں تو کیوں کہے یہ؟" وہ ہنسی چاہتے ہیں۔" ان کا منہ کھلا کر بولا۔

"نہیں میرے کوئی وہ نہیں ہیں۔" ہانیہ ہنس دی۔
 "ملا نہیں اچھے۔" شیراز نے جوش میں ہاتھ ملایا پھر اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔"

اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔" "مگر سیمل تو کسی بھی تھی ال میں کچھ کالا ہے۔" "آئی میں اس کے بارے میں تو کیوں کہے یہ؟" وہ ہنسی چاہتے ہیں۔" ان کا منہ کھلا کر بولا۔

"نہیں میرے کوئی وہ نہیں ہیں۔" ہانیہ ہنس دی۔
 "ملا نہیں اچھے۔" شیراز نے جوش میں ہاتھ ملایا پھر اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔"

"نہیں میرے کوئی وہ نہیں ہیں۔" ہانیہ ہنس دی۔
 "ملا نہیں اچھے۔" شیراز نے جوش میں ہاتھ ملایا پھر اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔"

"نہیں میرے کوئی وہ نہیں ہیں۔" ہانیہ ہنس دی۔
 "ملا نہیں اچھے۔" شیراز نے جوش میں ہاتھ ملایا پھر اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔"

کر رہا۔ میری سوت اٹھ بھورتی اور خوش مزاجی کا راز ہر روز ایک نوکرا چکوتروں کا۔ "اس نے پایت ہاتھ میں پکڑ کر گھمائی۔
 "ایک نوکرا خدا کا خوف کرو۔" ہانیہ ہنسی۔
 "یہ سچ کچھ کھا جاتا ہے۔ اور تم ذرا جلدی اٹھو نا۔" "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

کا۔ "شیراز نے پلٹ کر دیکھا۔ سیمل اپنا ایل سیٹ کر رہی تھی۔
 "کیکٹری دیکھنے چلیں گی۔" اس نے آفری۔
 "کتنی دور ہے؟"

"ہانیہ! مت جانا! تمیں پینتیس منٹ کی واک ہے۔ پھر واپس بھی آنا ہو گا۔" سیمل نے کھڑکھاتے ہوئے کہا۔
 "نہیں بھی اتنا چلنے کی ہمت نہیں ہے۔" ہانیہ نے انکار کیا۔

"چلیں جانے دیں کسی دن جیب پر لے چلوں گا۔" شیراز نے سر جھٹکا پھر سیمل کو کام میں مصروف دیکھ کر پوچھنے لگا۔
 "ہم ذرا گھوم پھر آئیں۔"

"ہاں! ہانیہ کو باغ کی سیر کروانا مگر پلینز زیادہ دور نہیں جانا۔"

"جنا ہے مجھے آپ کو ڈر لگتا ہے۔ میں اس پاس ہی ہیں۔ دو چار چھٹیں بار دیکھیں گا ہم آجائیں گے۔" سیمل نے اسے کھور کر دیکھا۔ بولی کچھ نہیں وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔

"آپ نے وہ کہانی سنی ہے جس میں ایک جاو کر شہزادی کو ایک سنگترے میں بند کر دیتا ہے اور وہ سنگترہ اک غریب لکڑہارے کا خوبصورت بیٹا خرید لیتا ہے۔ میں جب بھی کوئی سنگترہ پھیلنے لگتا ہوں تو ایک بار تو مجھے لگا۔"

شیراز کی ان ہی باتوں میں وہ بہت دور نکل آئے تھے۔ آگے چراگاہ اور کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تب ہی ہانیہ کی سماعتوں نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ اور دوسرے پل اس کی نگاہوں کی زد میں خوبصورت سفید گھوڑا آگیا۔

"یہ کس کا گھوڑا ہے؟" وہ بے اختیار رک گئی۔ اسے خود بھی رائیڈنگ کا بہت شوق تھا۔
 "اپنا ہی ہے۔"

"مگر ماما بتا رہی تھیں کہ اب یہاں گھوڑے نہیں ہوتے۔"

"نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔
 "نہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"ہوتے ہیں۔" شیراز نے کہا پھر خود ہی اپنے جملے سے معنی اخذ کر کے جلدی سے بولا۔

"میرا مطلب ہے ایک گھوڑا ہو آج۔"

"یہ تو میں نے دیکھ لیا۔"

"تو میری طرف کیوں دیکھ رہی ہیں گھوڑا ادھر ہے۔"

"وہ سنپٹا کر بولا تھا ہانیہ نہیں دیکھ۔"

"میں تو اسی کی بات کر رہی ہوں۔"

"تھینک گاڈ میں سمجھا، خیر۔" کان کھباتے ہوئے اس نے جملہ ادھر اچھوڑا۔ "یہ رامش کالا ڈالا گھوڑا ہے۔"

"بہت خوبصورت ہے۔" ہانیہ کی نگاہوں نے آخری سرے تک مفید گھوڑے کا دیکھا تھا۔

بہت دیر تک ادھر ادھر گھومنے کے بعد وہ لوگ واپس ہوئے۔ سیمل اپنے کام میں مگن تھی۔ باغ کا ایک حصہ اور بہت دور نظر آتے کچے کھانے ان کے عقب میں شیشم کے ٹنڈ منڈ درخت سموت نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اس کی زبرد کرفوں کا اخبار سارے منظر پر چھایا تھا۔

"بہت خوبصورت ہے۔" ہانیہ نے بے اختیار تعریف کی تو وہ ہو گئی۔

"آگے تم لوگ واپس کیسے لگے ہمارے باغات۔"

"یہ تو آگے ڈیرم لینڈ ہے سیمل! آگ آئینڈیل لائف، میرا بس چلے تو میں ساری عمر یہاں گزار دوں۔"

"یہ اس کی بے ساختہ فیصلہ تھی جن کا اختیار وہ بے اختیار کر گئی۔ سیمل اور شیرازی سوچتی ہوئیں نگاہیں اک دوسرے سے ٹکرائیں اور وہ دونوں ہی مسکرائیں۔

"اب چلیں، آئی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ خود ہی چونک کر بولی۔

"یوں کہیں نا، کڑھائی گوشت اور پلاؤ یاد آ رہا ہے۔"

"شیراز نے جھڑپا۔

"ہاں کچھ یہ بھی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے اعتراف کیا۔ سیمل نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ لوگ واپس لوٹے تو شاید آئی کھانے کی بات

سمٹ کر رہی تھیں۔ وہ بہت خوشگوار میڈا کے ساتھ ان سب کے درمیان بیٹھی تھی۔

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

"ہانیہ بیٹا! اندر آ جاؤ سردی بڑھ رہی ہے۔"

شایدہ آئی نے پکارا تھا۔ مگر وہ سنی ان سنی کر کے بیٹھی رہی۔ سردی اتنی بھی محسوس کر رہی تھی۔ مگر اٹھنے کا من نہیں تھا۔ پونہ جھولے پر نیم دراز اپنی

شال کے دھانکے بیٹھی رہی۔

"میرا خیال ہے آپ غریب کوئی اہم چیز ایجاو کرنے والی ہیں۔" شیراز نے زور سے جھولے کو حرکت دی تھی۔

"انفہ۔" اس نے سیمل کو گھورا۔ "تو وہ ڈھٹالی سے بنے لگا۔"

"کیا سوچنے کی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں، کبھی بھی یوں ہی خاموش اور خاموشی سے چلتا ہے۔"

"آج کل میں جانوں۔"

"آپ کے کیا قانون تیا ہے بات کر رہی ہیں۔"

جب سے وہ یہاں آئی تھی پاپا نے ایک بار بھی اس کی خیریت دریافت نہیں کی تھی۔ مانا ماما کے ساتھ ان کی

زانی تھی مگر وہ ان کی اولاد نہیں۔

"مجھے بابا تک نہیں۔"

"ہانیہ پوچھو کہ بابا کیا تھا انہوں نے، لگتا ہے کوئی سیریس بات ہے۔"

"آج کل۔" وہ خاموش سی ہو کر سوچنے لگی کہ کیا بات ہو سکتی ہے۔

"آپ کو اگر بات کرنی ہو تو دوبارہ فون کر لیجیے گا۔"

اسے خاموش دیکھ کر شیراز نے کہا تھا۔

"ہاں کر رہی گی۔" ہانیہ نے آہستگی سے کہا۔ اور اس کی بے توجہی محسوس کر کے شیراز جلد ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ کچھ لمحے بیٹھی رہی۔ اس کے بعد ماما کے کمرے

میں آئی تھی مگر وہاں سب ہی موجود تھے۔

"ماما! کیا فون آیا تھا۔" اس نے دروازے ہی میں کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے

مکھڑے کی کشیدگی بھی محسوس کی تھی۔ ماما کی آنکھیں ماحول کی کشیدگی ہوئی تھیں شایدہ آئی متفکر اور ماموں

سرخ اور سوچی ہوئی تھے بلکہ بی بی جان نے اسے جن اور بی بی بہت غصے میں تھے بلکہ بی بی جان نے اسے جن

دکانوں سے گھورا تھا ان میں سوائے نفرت کے اور کچھ نہ تھا۔

"ہاں۔" ماما کی تھکی تھکی سی آواز ابھری۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

بی بی جان نے بہت زور سے پہلو بدلا تھا۔ ماموں

لب بچ کر رہے تھے۔ ہانیہ کی جگہ چور سی ہو گئی۔

"کچھ نہیں تمہارا پوچھ رہے تھے۔" انہوں نے بہت سی بتایا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ ماما نے ایسا

کیا کہہ دیا کہ آپ رونے لگیں۔

مگر سب لوگ اس کی آمد پر گویا ڈسٹرب ہو رہے تھے۔ خاموشی سے باہر نکل آئی۔

تو وہ جانتی تھی کہ یہ سب لوگ اس کے پاپا کو زیادہ

پسند نہیں کرتے۔ اور اس کی بھوری سی تھی کہ پاپا کی تمام تر خاموشی اور دوسری شادی کے باوجود وہ ان سے

محبت کرتی تھی۔ اور وہ چاہتے کے لیے وہ شعوری طور پر دروازے پر ہی رک گئی تھی۔

"ہمیں بہت ہو چکا عالیہ! اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔" ماموں کی ضبط کی جھڑپ کو توڑتی آواز

ابھری تھی۔

"میں کیا کروں بھیا! میرے اختیار میں ہے کیا؟"

ماما روئی تھیں۔

"کیوں نہیں ہے تمہارے اختیار میں کچھ۔"

"آپ جانتے ہیں میری کمزوری۔"

"یہ زبردستی کی کمزوری ہے۔ جسے تم نے گلے لگا رکھا ہے۔" بی بی نے ترخ کر کہا تھا۔

"وہ کچھ عالیہ! جو کچھ وہ اب کہہ رہا ہے نا، وہ ماننا

ناممکن ہے۔" منظور ماموں نے رسائیت سے سمجھانا

چاہا۔

"جب تک ہانیہ میرے پاس ہے مجھے اس کی ہر بات ماننا ہوگی۔" شایدہ وہ وہی تھیں ہانیہ کے لب

بچھنے لگے۔

"تو واپس کرنا! اب وہ تھکی پٹی تو نہیں رہی ہے گلے سے لگائے پھر رہی ہو۔ کل کبھی۔"

"ہانیہ! یہاں کیا کر رہی ہو۔" سیمل کی آواز پر وہ

پٹی سیمل اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گئی۔

"کچھ نہیں۔" اس سے قبل کہ وہ کچھ پوچھتی

ہانیہ چلی گئی تھی۔ سیمل کندھے اچکا کر رہ گئی۔

رات کو اس نے ماما سے پوچھا کہ پاپا نے کیا کہا تھا

مگر وہ کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے سکیں۔ وہ

ان سے مزید تھا ہو گئی۔ کیا اب وہ اس کاٹل نہیں رہی تھی کہ ماما اس سے اپنی کوئی پراہم شیز کر تھیں۔ یا وہ

سمجھتی تھیں کہ وہ ماما کے بجائے ہیش پاپا کا ساتھ دیتی ہے۔ حالانکہ زیادتی پاپا کی طرف سے ہوئی تو وہ ہیش ماما

کا ساتھ دیتی تھی۔ اور چند دن بعد جب ماما نے کہا کہ وہ

لوگ یہاں سے جا رہے ہیں تو پھر اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"پاپا کے پاس؟"

"نہیں۔" وہ خاموشی سے پیکنگ کرتی رہیں۔

"تو۔" اس نے ابھن آمیز انداز میں انہیں دیکھا۔

"میں مائل ناؤن میں ایک گھر لیا ہے میں نے اپنے اور تمہارے لیے۔" عالیہ قصداً مسکرائی

تھیں۔ ہانیہ کچھ لمحے انہیں یوں دیکھتی رہی۔ جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اس موقع پر اسے کیا کرنا

چاہیے۔

"میرا خیال ہے تمہیں بھی پیکنگ کرنی چاہیے۔"

کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار بننے کے بعد انہوں نے

ہانیہ کی خاموشی سے خائف ہو کر کہا تھا، ہانیہ اک

طویل سانس لے کر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں ماما!" اس کی ابھن

اس کی آواز سے مترخ تھی۔

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں۔" عالیہ

سپاٹ لہجے میں بولی تھیں۔

UrduPhoto.com

روبیہ کیسا ہو گیا تھا۔ کبھی وہ بالکل سلسے کی طرح مہولان ہو جاتی تھی۔ دیکھی محبت دیکھی وارفتگی، بالکل سکون کی دوستی اور کبھی کبھی ہانسیہ کو لٹکا کر اس کا وجود بوجھ لگتا ہے۔ وہ اس سے بیزار ہو جاتی تھی۔ وہ کب آتی ہے اور کب جاتی ہے۔ وہ کیا کھاتی ہے، کہاں رہتی ہے۔ وہ بھولتی جاتی تھی کہ ہانسیہ احمد کا کوئی وجود بھی ہے۔

”ہانسیہ احمد! کبھی تھوڑا وقت مجھے بھی دے دیا کرو۔“ اسے اوپر جانا دیکھ کر انہیں غصہ ہی تو آگیا۔ تب ہی اسے پورے نام سے مخاطب کیا تھا۔

ہانسیہ نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔ اسے ماما کا وقت دینے کا انداز بہت برا لگتا تھا۔ بظاہر ساتھ بیٹھ کر کئی ویں نظر میں جملے وہ اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو جاتی تھیں جب سے وہ اس گھر میں شغل ہوئی تھیں ماما کے رویوں کا یہ تضاد کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر گیا تھا۔

”ماما کہاں ہیں عبدل؟“ عبدل کو پاپا نے مستقل یہاں بھجوا دیا تھا۔

”وہ تو اپنے بھیا کے گھر گئی ہیں۔“

”اتنی صبح؟“ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

”تو بچے ہیں۔“ عبدل نے گویا اطلاع دی تھی۔

ہانسیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

”چائے ملے گی آج۔“

”صرف چائے ناشتہ بالکل تیار ہے۔“

”لے آؤ۔“ وہ کسلندی سے ڈانٹتے چہرے سے بچھڑ گئی۔ ذہن میں یہی سوچ بھٹک رہی تھی کہ ماما اتنی صبح ماموں کے گھر کیا لینے گئی ہیں۔

تب ہی فون کی بیل بجی اٹھی۔ ہانسیہ نے اٹھایا تو شیراز تھا۔ چھوٹی سی پوچھنے لگا۔

”کیا شہر میں کرفیو نافذ ہو گیا۔“

”نہیں تو کیوں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”کو کیا آپ گوشہ نشین ہو گئی ہیں؟“

”ایسا بھی نہیں۔“

”حد ہوئی ہے بے مروتی کی بھی۔ کبھی پلٹ کر بھی

دیکھ لیتے ہیں محترم۔ ہر جگہ پتھر، دوجانے والی بات سادق نہیں آتی۔“ وہ جھپٹا کر بولا۔

”میں آؤں گی۔“

”نہیں! آپ بالکل مت آئیں گا۔ ہم آپ کو بالکل بھی یاد نہیں کرتے۔“ شیراز کے روئے رخ انداز پر اسے پار آگیا۔

”چھوٹا تھا ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں شام چکر لگاؤں گی۔“

”اس نے فرمائش کی۔“

”اس نے بھی کیا خاص بات ہے؟“

”ہاں نا۔“ وہ پر جوش ہوا۔ ”رات کو اچانک رامش بھائی آگئے۔ میں نے کچھ جاسوس اچھا ہے کوئی لڑکی ڈھونڈ کر انہیں باندھ داندھ کر شکنجہ کر دیتے ہیں آج۔“

”کوئی لڑکی باندھ کر دیتی ہے؟“

”کوئی لڑکی باندھ کر دیتی ہے۔“

”مجھے کوارہ مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تو پھر

”میں تو اب بھی نہیں کیلا۔“

”ہمارے ہاں کسی نے بھی روزہ نہیں رکھا۔ یا قاعدہ

بھرتے ہیں۔“

”ابھی نہیں چھوڑا۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔“ فورا مان گیا۔ مگر اس کا لہجہ مایوس سا تھا۔ ہانسیہ کو انہوں نے دیکھا تھا۔

”تو یہ وجہ تھی آپ کے اتنی صبح جانے کی۔ مجھے بتانا

گوارا نہیں کیا۔ گویا مجھ سے زیادہ آپ کو ہر کوئی اہم لگتا ہے۔“

”بائے کرے گا۔“ وہ نہیں رہا تھا سو وہ پوچھی اٹھ گئی۔

”ماما وہ شہر میں اپنی انہیں اور بہت پر جوش تھیں۔ اس سے رامش کے متعلق ہانسیہ کرنا چاہتی تھیں مگر ہانسیہ نے مومن ہی نہیں رہا تھا اور گاڑی لے کر نکل گئی۔

ان کی بات پر ایک دم سے خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ جیسے خود ہی چور سی بن گئیں۔ یہ بات کہہ کر بی بی جان کے انداز میں داغ خیزاری ہو گئی۔

”ہم کیا کہتی ہو شاہدہ؟“ منظور صاحب نے بہت دیر بعد سر اٹھا کر ان سے پوچھا تھا۔ انہوں نے ایک نظر بی بی جان اور پھر عالیہ پر ڈالی۔

”ہانسیہ بہت اچھی لڑکی ہے اور مجھے پسند بھی بہت ہے۔“

ان کی بات پر عالیہ کا چہرہ جھک اٹھا تھا۔

”لیکن احمد کی بیٹی۔“ بی بی جان نے تذبذب سے

”وہ میری بھی بیٹی ہے۔“ عالیہ ٹپ اٹھیں۔

بی بی جان!

وہ بی بی جان کی طرف پلٹیں۔ ”میں نے زندگی میں کبھی کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ احمد نے کبھی کوئی خوشی نہیں دی مجھے۔ اگر ہانسیہ نہ ہوتی تو شاید میں اس دھوکے باز انسان کے پاس ایک بل بھی نہ رکتی۔ چھوٹا آدمی وہ گھر میرے قدموں کو اڑا کر کسی نے باندھا تھا تو وہ میری ہانسیہ کا وجود تھا۔ اب وہ ہانسیہ کو مجھ سے جھین لیتا چاہتا ہے۔ وہ چھین لے گا بی بی جان! خدا کے لیے میری مدد کریں۔ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔“

بی بی جان بیٹی کو ساتھ لگا کر سسک اٹھیں۔ ساری عمر انگوٹھی بیٹی کے ذرا ذرا سے دکھ رہی تھی۔ آج وہی بیٹی ان سے مدد مانگ رہی تھی اور وہ بے بس ہیں۔

”یہ تو شاہدہ اور منظور کا فیصلہ ہو گا۔“

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے پھر شاہدہ نے ہی بہت کی تھی۔

”عالیہ! ہانسیہ مجھے سسٹل کی طرح عزیز ہے۔ وہ تو اتنی سلجھی ہوئی لڑکی ہے کہ کوئی بھی اسے سوہنا کر فخر محسوس کرے گا۔ مگر رامش۔“ وہ ایک پل کو خاموش ہو گئیں۔

”رامش کیا۔ کیا وہ کہیں۔“ عالیہ نے تیزی سے پوچھا چاہا تو شاہدہ مسکرائیں۔

”نہیں۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتی ہوں! ایسا کچھ نہیں ہے مگر اس کی رائے لیے بغیر تو میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی، مگر تم فکر مت کرو وہ انکار نہیں کرے گا۔“

”مگر عالیہ! تم ہانسیہ سے ضرور پوچھ لیتا۔ وہ کسی اور ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ یہاں ایڈجسٹ بھی کر لے گی۔“ منظور صاحب نے کہا۔

”ہرے۔“ کھڑکی سے کان لگا کر کھڑے شیراز نے نعرہ لگایا۔

”خاموش۔“ سسٹل نے تیزی سے اسے گھورا۔

”ہانسیہ! بھابھی بن کر آئیں گی تو کتنا مزہ آئے گا آپ!؟“ وہ بہت پر جوش تھا۔

”ہاں۔“ ہانسیہ مجھے بھی بہت اچھی لگی ہے۔ خوبصورت بھی بہت ہے۔ رامش بھائی کے ساتھ سوٹ کرے گی۔“ سسٹل بھی خوش تھی۔

”مگر“ وہ نجانے کس سوچ میں الجھ گیا تھا۔

”مگر کیا؟“ سیمل نے پوچھا۔

”ہانیہ آپلی مان جائیں گی؟“

”ہمارے بھائی میں کس چیز کی کمی ہے؟“ سیمل

نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”تو ہانیہ آپلی کو فون کروں۔“

”حق ہو۔“ سیمل ہنس دی۔ ”کیا کو گے؟“

”یہی کہ ہمارے بھائی کو اپنی فرزندگی میں قبول

کر لیں۔“ وہ روانی سے کہہ گیا۔

”فرزندگی میں۔ او گاڈ۔“ سیمل ہنستی چلی گئی۔

”مہر میرا مطلب ہے کہ۔“ وہ جھل سا ہو کر کان

کھجائے لگا تھا۔

”رہنے دو مطلب اور یہ سوچ کہ وہ بھائی اور

ہانیہ کی ملاقات کیسے کروائی جائے۔“

”دیش بوا۔“ وہ دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے

تھے۔

UrduPhoto.com

”کتنی

”بچھنے والوں کے لیے۔“

”خسک چوں کو قہر میں تلے روئتی ہانیہ نے سراٹھا

کر قدرے ناگواری سے کہہ دیا۔

”ہیلو۔“ ڈارک براؤن آنکھیں مسکرائیں۔

”آپ کا مطلب ہے کہ جن لوگوں کو زندگی بہت

بے رنگ اور خشک نظر آتی ہے وہ خود اسے ایسا سمجھتے

ہیں۔“ اسکارف کو ہچکا دیتے ہوئے اس نے جرح

کی۔

”کم از کم آپ کے بارے میں میں یہی سمجھتا

ہوں۔“ کونار کی سیاہ سڑک خشک چوں سے بھری

تھی۔ سرد ہوا میں گرتے چوں کی آہٹیں شامل تھیں۔

وہ رک گئی۔

”آپ تو مجھے جانتے بھی نہیں پھر میرے بارے

میں اتنے دعوے سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”کون کہتا ہے میں آپ کو نہیں جانتا؟“

ہانیہ نے ایک پل کو سوچا پھر سر جھٹک کر بولی۔

”میں آپ کو نہیں جانتی۔“

”یہ کہہ سکتے ہیں۔“ وہ دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں

میں گھساتے ہوئے بولا۔ ہانیہ نے ایک نظر اسے

دیکھا۔ پھر سڑک کے کنارے نظریں جماتے ہوئے

پوچھا۔

”آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟“

”اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کیا؟“

ہانیہ کو وہ شخص عجیب سا لگا اور وہ کہے بنا بھی نہ

سکی۔

”آپ بہت عجیب انسان ہیں۔“

”کچھ نہ کچھ عجیب تو ہر کوئی ہوتا ہے۔ ویسے میں

صرف لگتا ہوں۔“

اس کا لہجہ و انداز متبسم تھا۔ اور وہ یونہی اس کے

ہم قدم اس کی ہر بات کو گویا ٹال رہا تھا۔

”آپ یہیں اس پاس رہتے ہیں۔“ ہانیہ نے

خوبصورت ہنکوں کی طویل قطار کو دیکھا۔

”جی ہاں! آس پاس ہی رہتا ہوں۔“ اس نوجوان کا

لہجہ بھی ختم تھا۔

ہانیہ نے اس کی طرف نظر کر رکھی۔ دونوں ہاتھ پشت

باندھتے ہوئے اس نے اک سرسری نگاہ ساتھ

کھڑے شخص پر ڈالی۔

”آئی تھنک یو! میں اپنے رستے پر چلنا

چاہتی ہوں۔“

”آپ جانتی ہیں میرا رستہ کون سا ہے۔“

وہ ایک قدم بڑھ کر عین اس کے مقابل کھڑا ہوا کہ

ہانیہ احمد کے لیے اپنے رستے کا تعین کرنا مشکل ہو گیا۔

پھر وہ بڑے اعتماد سے بولی تھی۔

”میں اپنا رستہ جانتی ہوں۔“

”اوکے۔ پھر ملیں گے۔“ اس نے دو قدم پیچھے

ہٹ کر راستہ دیا۔

”یہ ضروری نہیں۔“ وہ رکھائی سے کہہ کر واپس

پلٹی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

”یہ ضروری ہے ہانیہ احمد۔“ وہ زریب پر ہر دایا

تھا، ہانیہ اس سرگوشی کو یکسر نظر انداز کر گئی تھی۔ اسے

گھر سے نکلے کافی دیر ہو گئی تھی۔ ساما کی خفگی کی بظاہر اسے پروا نہ بھی تھی۔ پھر بھی وہ ان کی ناراضی سے خائف رہتی تھی۔ تب ہی گھراوت آئی۔ ساما ان میں خاموش خاموش سی بیٹھی تھیں۔ اس کے جلد اوت آنے پر انہوں نے کوئی تبصرو نہیں کیا تھا۔ وہ خود ہی لان چیمبر تھیں کر بیٹھ گئی۔

"عبدال! ایک کپ چائے میرے لیے بھی۔" عبدال کو پکارتے ہوئے اس نے ساما کے سامنے رکھے ٹھنڈی چائے کے کپ کو دکھا۔ ساما نے ایک ٹھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔ بجائے ان کی سوچ کی تھیں کہاں جا کر ابھی ہوئی تھیں۔

"ماما! ہانیہ نے دھڑ سے پکارا۔
"ہوں۔" انہوں نے چونک کر ہانیہ کو یوں دیکھا۔ گویا اب اس کی موجودگی کا احساس ہوا ہو۔
"آئیسی تم؟" انہوں نے آف طویل سانس لے کر چائے کا کپ اٹھایا۔

"ٹھنڈی ہو گئی ہے ماما۔"
"ہاں۔" انہوں نے آکٹا ہٹ آمیز انداز میں کپ میز پر رکھ دیا۔

"عبدال! مارا ہے۔"
"ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"
"کچھ نہیں۔" ان کا انداز جارحانہ تھا کہ وہ اس وقت اس سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ ہانیہ کے اعصاب کھینچنے والے ایک جھگڑے سے اٹھ گئی۔
"عبدال سے کہیے گا چائے میرے کمرے میں دے جائے۔"

"آج احمد کافون آیا تھا۔"
ماما کی آواز پر وہ رک گئی۔ اس نے پلٹ کر تعجب سے ماما کو دیکھا۔

"پاپا کا؟"
انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"کیا کہہ رہے تھے؟" اس کے لیے میں دیا دیا سا جوش تھا جسے محسوس کر کے عالیہ ایک پل کو خاموش

ہو گئیں۔
"میں اپنے پاس بیٹھ رہی ہوں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اب تم کچھ عرصے ان کے پاس رہو۔"

"پاپا! نجانے کیوں وہ ہستی چاہتی ہے۔ عالیہ نے ناگواری سے اس کی ہنسی کو سنا تھا مگر یوں کچھ نہیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے خود ہی آنکھوں میں دھڑ آئے والے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں دکھا تھا۔

"وہ ماما! اب آپ چھوٹے بچوں کی طرح مجھے تقسیم کریں گے۔ کبھی پاپا کے پاس تو کبھی ماما کے پاس۔ کیا زندگی ہوتی ہے یہ ہم جیسے لوگوں کی بھی۔ تو نے چھوٹے بچے ہوئے لوگ۔"

"ہانیہ۔" عالیہ نے اس کے لیے میں اترتے کرب کو محسوس کر کے دکھا تھا۔

"کچھ نہیں ماما! کبھی یونہی کچھ عجیب سا فیل ہونے لگتا ہے۔ اپنا آپ مست عجیب سا لگنے لگتا ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔ "اور کیا کہہ رہے تھے بہر حال۔"

"ماما؟"
"اور کچھ نہیں کہا اگر تم جانا چاہو تو عبدال چھوڑ آؤ۔ ماما نے اس کی سے کہا۔
"آپ مجھے بھیجنا چاہتی ہیں؟" ہانیہ نے پوچھا۔

"جہاں نے چڑھ کر اسے دکھا۔
"احمد! میں نے کبھی تمہیں کسی بات کے لیے مجبور نہیں کیا۔ تمہاری مرضی کو ترجیح دی۔ خواہ اس میں میری مرضی شامل ہو یا نہ ہو۔ مگر تمہیں بھی احمد کی طرح میرے کندھے پر ہونے کی ضرورت ہے۔ عادت سی ہو گئی ہے۔"

"میں تو اب ماما کہ آپ نے کبھی مجھ پر زبردستی نہیں کی۔ کبھی ملنے والے کافی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے مجھے خود سے دور کر دیا ہے جیسے۔ جیسے میں کبھی آپ کے وجود کا درد نہیں گئی۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکو کر گئی۔

"میں نہیں اپنے ساتھ لائی ہوں ہانیہ۔" عالیہ کی آواز بہت تھکی ہوئی تھی۔
"آپ مجھے ساتھ نہیں لائیں۔ میں آگئی آپ کے

ساتھ۔ آپ تو شاید مجھے ساتھ لانا ہی نہ چاہتی تھیں۔" وہ گردن موڑ کر گرتے بچوں کو دیکھنے لگی۔ زرد فضا کی آنکھ میں کھٹکھٹ سی اداسی اتر آئی تھی۔

"میں مجھ سے اتنی بدگمان کیوں ہو ہانیہ! ماں ہوں میں تمہاری۔" وہ تڑپ کر بولیں۔

"آپ کے رویوں نے کیا ہے۔ مجھے ساتھ لا کر بھول گئیں۔ کبھی دیکھا، کبھی پوچھا، ہانیہ کیسی ہے کیا سوچتی ہے کیا چاہتی ہے؟ پاپا کی سیکنڈ میچ نے اس پر کیا اثر ڈالا ہے۔"

"جہاں اب بڑی ہو گئی ہو ہانیہ۔"
"نہیں ماما! وہ ذرا سا جھکی۔ ان کا ہاتھ تھام کر ضبط سے مسکرائی گئی۔ میں اب بھی وہی ہانیہ ہوں۔ اب بھی آپ کی گود میں سر رکھ کر رہنا چاہتی ہوں۔"

اور عالیہ کا دل چاہا وہ اپنی ہنسی سی ہانیہ کو اٹھا کر گود میں چھالیں۔ بیٹے سے لگا کر اپنے سارے بد حالیت رویوں کی خلاف ورزی اور اس سے قبل کہ ان کے جذبول چھایا خود ساختہ خول ٹوٹ جاتا عبدال ہاتھ میں سوا لے گئے تھیا تھا۔

"عبدال! کافون ہے۔"
عالیہ کے کچھ بچوں پر پھر سے برف جم گئی۔ ہانیہ نے اک طویل سانس لے کر موبائل تھام لیا۔

"میلو پاپا۔"
"میلو ماما! کیسے ہو؟" وہ سری طرف پلٹ گئے۔ ہیش کی طرح خوش باش نئی رفاقت کے احساس نے ان کے لمحے کو کچھ اور شگفتہ کر دیا تھا۔

(اور ایسا کیا نہیں تھا ماما میں کہ جس کی کمی آپ کو ڈگر ڈگر بھٹکتی یہاں تک لے گئی)

ہانیہ نے ایک نظر ماما کو دیکھا۔ اترتی شام کی ساری زردیاں ماما کے چہرے پر اتر چکی تھیں۔

(اور نبھانے وہ کون سا خوف ہے جو ان ہونٹوں کو مسکراتے نہیں دیتا)

اور وہ سری طرف پاپا پوچھ رہے تھے۔
"ہانیہ بیٹا! اب آ رہے ہو؟"

"جائیں پاپا! ابھی میں نے سوچا نہیں۔"

لا پرواہی سے کندھے اچکا کر بولی تھی اور پاپا کے لیے ہر اصرار کے باوجود وہ انہیں کچھ نہیں سننے سے نہ ہٹاتی تھی۔

♥ ♥ ♥
ہست سے دن اویں ہی نکلی گئے۔ نہ وقت بدلات حالات۔ اور نہ ہی موسموں کے تغیر نے میزان پر کوئی اثر ڈالا۔ وہی ماما کے جذبول کا آثار چڑھاؤ وہی اجنبیت، وہی ہانیہ کی بدگمانی۔

وہ اس سوال کو سلجھانے میں اب بھی ناکام تھی کہ آخر وہ ماما کے اس رویے کی شکار کیوں ہوئی ہے؟

کیا ماما کے رویے میں یہ تبدیلی محض پاپا کی سیکنڈ میچ کی وجہ سے ہوئی؟

ظاہر ہے ان کا گھر لوٹا ہے۔
مگر اس میں ہانیہ احمد کا کیا قصور؟

کیا ہانیہ چاہتی تھی کہ پاپا وہ سری شادی کر لیں۔ یا ماما یوں بے گھر ہو کر تنہا زندگی گزارنے لگیں۔

نقصان تو ہانیہ کا بھی ہوا تھا۔
اس کا وجود و نشت ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ ماما کے ساتھ

آئی تھی کہ اسے ماما کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس تھا مگر وہ پاپا کے لیے بے چین رہتی۔

موسم کی ساری بے چینی ساری بیزاری گویا اس کے میزان میں رچ بس گئی تھی۔ وہ ماما سے لڑ کر گھر سے نکلی تھی اور اب تنہا اس زرد و سرود شام میں کالونی کی سڑکوں پر بیٹھ رہی تھی۔ ہوا کی زد میں آیا تنہا زرد و شاخ سے ہاتھ چھڑا کر اس کے قدموں میں آہرا تھا۔ اس کے قدم ٹھٹھک کر رہ گئے۔

"کیا فرق ہے مجھ میں اور اس خشک زرد ہے میں؟"

اس نے ذرا سا جھک کر پتا اٹھایا۔ حسبِ عادت وہ اس پتے کو مسل نہ سکی بس ہتھیلی پر رکھے اسے دیکھے گئی۔ سامنے والے بنگلے کے ٹیرس پر کھڑے نو عمر

لڑکے نے دائیں پر اک اور اس دھن چھیڑ دی تھی۔ اس نے بیزاری سے پتے کو ہوا کے سرد کیا۔

"اور زندگی میں کچھ نہ ہوتا جس قدر ازیت ٹاک ہے۔"

تنگی بیچ کی ٹھنڈک کو انگلی کی پوروں سے محسوس

کرتے ہوئے اس نے با آواز بلند سوچا تھا۔

”تم آپ خود کو مصروف کیوں نہیں کر لیتیں۔“

وہ عقب سے اس کے سامنے آیا۔ ہانیہ احمد نے سر اٹھا کر قدرے سکون سے سامنے کھڑے اک خوبصورت خواب جیسے شخص کو دیکھا جس کی خوبصورت ڈارک براؤن آنکھوں کا ہر رنگ بڑا سچا اور انمول لگتا تھا۔

”مثلاً کیا کروں؟“ آج وہ اسے دیکھ کر جھنجھلائی نہیں تھی۔

”کیا آپ کے پاس واقعی کچھ بھی کرنے کو نہیں رہا؟“ خوبصورت آنکھوں کی شگاف میں پرتخیز جگہ۔
”شاید نہیں۔“ ہانیہ کے لیے میں مایوسی در آئی۔
”شاید میرے وجود کا میری ذہانت میری قابلیت کا کوئی مصرف نہیں۔“

وہ قدرے حیرت سے دیکھنے لگا پھر مسکرایا۔
”دوستی کر لیں پھر ہم بتائیں گے آپ کی ذہانت قابلیت کا کیا مصرف ہے۔“
”دوستی؟ کس سے؟“ ہانیہ احمد نے حیرت سے پوچھا۔

”ہو سکے تو مجھ سے۔“
اور ہانیہ احمد کو اک اچھے اور سچے دوست کی ضرورت تو تھی ہی۔

”لیکن آپ ہیں کون؟“ وہ پھر پوچھے بنانہ رہ سکی۔
”حافظ۔ اس سرزمین کا اس کی سرحدیں سماں کے لوگوں اور۔“

”اور؟“ اس کے ہلے اوچھوڑنے پر ہانیہ احمد نے بے اختیار پوچھا۔

”آگے لائن خالی ہے۔ تم چاہو تو پر کرلو۔“ اس نے سہولت سے تکلف کی دیوار گرائی۔ ہانیہ احمد سر جھٹک کر رہ گئی۔ اس نے اچھی کے اس تملے کو سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

”چھپا چھوڑو۔“ تو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔“ اس نے آفر کی۔ ”شام گہری ہو رہی ہے۔“

”تو؟“ ہانیہ احمد نے لا پرواہی سے کندھے اچکائے۔

”تو ہانیہ احمد، کچھ کام ہمیں اپنے لیے نہیں دو سروں کے لیے کرنے پڑتے ہیں۔“

”دوسرے کون؟“ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”دیکھا کوئی بھی ایسا نہیں جو اس وقت تمہارا انتظار کر رہا ہو۔“

اور ہانیہ احمد نے کھڑے ہوتے ہوئے سوچا۔
ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ ماما نے اس کا انتظار نہ کیا ہو۔ کچھ بھی ہو مگر وہ ہمیشہ اس کا انتظار ضرور کرتی تھیں۔

”چلیں۔“ اس نے اتار پھرتے ہوئے پائوں میں ڈالے۔

”آپ کا گھر؟“
”زیادہ دور نہیں ہے۔“

”مہو بھی تو کیا۔“ وہ کندھے اچکا کر زیر لب مسکرایا اور ہانیہ احمد نے سوچا تھا کچھ لوگوں پر مسکراہٹ کتنی

مختص کرتی ہے۔
”آپ کے گھر میں کون کون ہے؟“ وہ اس کے ہم قدم تھا۔

”میری ماما۔“

”آپ کے خاوند۔“ اس کے لیے میں کوئی تجسس نہ تھا۔ بس یہ وقت گزاری کے لیے یا محض اس سے مخاطب ہونے کے لیے سوال جواب کر رہا تھا اور ہانیہ

کو معلوم بھی نہ ہوا۔ جب تک گھر آیا وہ خود بھی تکلف کی دیوار گرائے ایک پر غلوں دوستی کی ابتدا کر چکی تھی۔

”آئیے تال میں آپ کو ماما سے ملواتی ہوں۔“ گیت کے عین سامنے رکتے ہوئے ہانیہ نے کہا۔ وہ ذرا سا سر جھٹک کر مسکرایا اور وہ قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”پھر سی۔“

”اگے۔“ ہانیہ نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔

”اگلی اختیاری ملاقات تک کے لیے خدا حافظ۔“ اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں ہلکی سی شرارت جاگ رہی تھی۔

”ہانیہ ضروری ہے کہ ہماری پھر ملاقات ہو۔“ ہانیہ احمد نے نجانے کیوں اچھ کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا تھا بس ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہتے ہوئے اک الوداعی مسکراہٹ اس کی نذر کی تھی۔ ہانیہ احمد نے اسے دور تک جاتے دیکھا اور رات کو لا شعوری طور پر اس کو سوچتے ہوئے اس سے پھر ملنے کی خواہش کی تھی۔ مگر وہ اک خوبصورت خواب کی طرح جھٹک کی گئی۔ ہو گیا تھا اور پھر بہت سے دن یوں ہی وقت کی گود میں گر کر غائب ہو گئے۔

♥ ♥ ♥
”ہاں! آپ مجھ سے لاٹک کر رہی ہیں؟“

”ہاں بلوار سے ہیں؟“ گلاس ڈھکے سے باہر کن من سن ہوئی بارش بارش میں جھپٹتے ہوئے اور جوہرے درختوں کو دیکھتے ہوئے وہ بر سوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ نل ساڑ کا کافی کے مک ٹی گرائش اس کے

لٹختے ہاتھوں کو سکون بخش رہی تھی۔
”ہاں! آپ دن کے پاس آکر بیٹھو۔“ ماما کی

”ہاں! آواز نرم گرم ماما کی میں بہت جلد سے گونجی۔
”نجانے کیوں اسے ماما کی آواز اچھی

ہانیہ چونک گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ آتش بت آگنی لگی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ آتش

دان میں آگ لگ رہی تھی اور ماما کی سپاٹ نگاہیں آتش دان کے عین اور لگی فیملی فوٹو میں الجھ رہی تھیں۔ ماما پایا اور وہ۔“

”کتنی مکمل اور خوبصورت فیملی تھی ان کی۔ اور اب۔“ اب جیسے ہی ہانیہ نے دیکھا۔ وہ مڑی اور براؤن فائبر کے پائوں چلتی ہوئی ان کے

نہیں سامنے فلور کشن پر آ بیٹھی۔
”ماما! اس نے دھیرے سے ہاتھ ان کے گھٹنے پر

رکھا اور اس سے قبل کہ وہ کچھ اور کہتی ماما نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا تھا۔

وہ ششدر سی رہ گئی۔
”بانا دایہ نفرت اور بیزاری کی کون سی منزل آگئی؟“

میرے اور ماما کے درمیان؟“ عالیہ نے اپنے چہرے پر اس کی سنگینی نگاہ محسوس کی مگر یونہی خاموش اور کم سم

بھی رہیں۔

”ماما! آپ مجھ سے لاٹک کر رہی ہیں؟“

ماما کے وجود میں ہلکی سی جھپٹ سی جھپٹ تھی۔
”خوش ہو رہی ہیں ان کے چہرے پر گاڑے ہوئے تھیں تھیں تھیں تھیں۔“
”کیا جواب اک طویل خاموشی پر محیط ہو گیا تھا۔“

”آئی لو یو ماما! آئی لو یو۔“

انہوں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”معموم نگاہوں میں سوائے محبت و اک حسرت بھری بے یقینی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔“

”ہانیہ! میری ایک بات مانو گی؟“ ان کے لیے میں ٹھہراؤ تھا مگر ہانیہ ان کے اضطراب کو محسوس کر سکتی تھی۔

”کیسے نا۔“
”تم شادی کرلو۔“ وہ اس کی طرف دیکھے بنا ہوئی تھیں۔

”شادی؟“ ہانیہ نے قدرے حیرت سے انہیں دیکھا۔

”ہاں! تم شادی کرلو۔“

”شادی تو ایک نہ ایک دن مجھے کرنا ہی ہے۔“
”تم رامش سے شادی کرلو۔“ وہ اچانک بولی

تھیں۔ ہانیہ نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔
”ہاں ہانی! تم رامش سے شادی کر لو گی نا؟“ انہوں

نے ذرا سا جھٹک کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑے تھے۔ اس بل نجانے کیوں۔۔۔ نجانے کیوں

ہانیہ کا دھیان بھٹک کر اک اجنبی محافظ پر جا رہا تھا۔
اس نے دھیرے سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

”انہوں نے آپ سے بات کی۔“
”نہیں! میرا مطلب ہے۔۔۔“

”نہیں۔“ ہانیہ نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔
”ماما! ایک ایسا شخص جس کے بارے میں میں کچھ بھی

نہیں جانتی۔ آپ خود اس سے کہیں گی کہ ہانیہ احمد سے شادی کرلو، بھلے وہ اس پر راضی ہو یا نہیں۔“

”وہ تم سے شادی کر لے گا ہانیہ! میں کہوں گی تو وہ تم سے شادی کر لے گا۔“ انہوں نے تیزی سے کہا اور

ہانیہ کی آنکھوں میں الٹی تھر آمیز بے یقینی نے انہیں

احساس دلا گیا کہ وہ کیا کہہ سکتی ہیں اور ہانیہ احمد کا من چاہا کہ وہ جلتے شعلوں کو ہتھیائیوں میں لے کر مسل ڈالے۔ بالکل اس طرح جس طرح ماما نے اس کا دل مسل ڈالا تھا۔ گویا اب ہانیہ احمد اتنی بے وقعت ہو گئی ہے۔

”بانی۔ میں۔“ وہ اضطرابی انداز میں ہاتھ ملتے بچھکتے کہتے رک گئیں۔

”آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟“ وہ ہشکل ہوئی کہ گلے میں پھنسا سارا گیا تھا۔

”میں تمہیں کھوتا نہیں چاہتی بانی۔“ وہ بے بسی سے بولیں۔

”ایسا کیوں سوچتی ہیں ماما آپ؟“

”میں تمہیں تمہارے باپ کے پاس نہیں جانے دوں گی بانی۔“

”کیوں ماما! چاہا میں میرے۔“

”اور میں۔ میں کیا ہوں۔ ہانیہ احمد! میری کیا حیثیت ہے تمہاری نظر میں۔ میں جس نے تمہاری خاطر زندگی کے پیچھے برس ضائع کیے۔“ وہ چیخ کر بولیں۔

”ضائع کیے۔“ ہانیہ کرب آمیز دیکھ کے ساتھ ترپا اٹھی تھی۔ ”ماما! میں اولاد ہوں آپ کی۔“

”ہاں تم۔“ عالیہ کچھ کہتے کہتے لب جھینٹ گئیں۔

”ماما! میری بات سنیں۔“ ہانیہ نے کچھ کہتا چاہا مگر سلجے ہوئے لہجے میں رول اٹھیں۔

”میں جانتی ہوں ہانیہ احمد! اگر تمہیں چوائس دی جائے تو تمہاری چوائس تمہارا باپ ہو گیا۔“

”میں نے آپ کو چنا تھا ماما! میں آپ کے ساتھ آئی تھی۔ مگر آپ نے ایک بے بنیاد خوف کہا تھا مجھے ہوش دس ہارت کیا ہے بولیں ماما! اسے میں آپ کی خود غرضی کہوں یا محبت۔ آپ نجانے کس وجہ سے مجھے یوں پیلا سے دور کرنا چاہتی ہیں مگر ایک بات یاد رکھیں ماما۔ پایا کی تمام تر غلطیوں کے باوجود میں ان سے محبت کرتی ہوں۔“

”تو تم رامش سے شادی نہیں کرو گی۔“ ماما کا لہجہ

ایک دم ساٹ ہوا تھا۔

”ماما! مجھے یوں اپنی نظروں میں مت کرا کر۔“

”چڑھی۔“

”مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔“

”آپ مجھے فوراً مت کریں ماما۔“

”ہاں ماما۔“

”ماما! میری زندگی کا فیصلہ آپ تھا نہیں کر سکتیں۔“ اس کی بات پر ماما کی آنکھوں میں چنگاریاں سی دیکھا اٹھی تھیں۔

”تو تم انکار کر رہی ہو۔“ ان کا لہجہ ناقابل فہم سا تھا۔

”ماما پلیز! وہ جیسے ہے اس کی ہو گی۔“

”ہانیہ احمد! چلی جاؤ یہاں سے۔“ وہ ایک دم چلائی تھیں۔

”آپ پہلے میری بات سنیں۔“ ہانیہ کا لہجہ نجانے کیوں سخت ہو گیا تھا۔

”مجھے سے احمد کے لہجے میں بات مت کرو۔“ وہ چیخ کر بولیں۔

”ماما! آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ میرا بچہ بھی ایک لب و لہجہ ہے۔ میں ہانیہ احمد ایک عاقل و بالغ لڑکی ہوں۔ اپنے سارے فیصلے خود کرنے کا پورا حق ہے مجھے۔ آپ یا کوئی اور کوئی بھی مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتا۔“ وہ چیخ کر بولیں۔

”اور ماما نے اسے بازو مجھے دھچ کر کھرا کیا تھا۔“

”نہیں ہو جاؤ ہانیہ! چلی جاؤ آپ باپ کے پاس ہوں کے لیے مت آنا بھی میرے پاس کچھ نہیں ہوں میں تمہاری۔ گیسٹ ہاؤس ہانیہ احمد۔“

”وہ باقاعدہ جھکے دی تھیں۔ ہانیہ ان کی حالت پر شدید روتی رہی۔“

”ماما۔ ماما! پلیز میری بات سنیں۔“ وہ بے اختیار انہیں پکارنے لگی تھی۔

”تو۔“ ہانیہ! تم فوراً چلی جاؤ یہاں سے۔ آئی بیٹھا۔“

”اور تب ہانیہ رکی نہیں تھی۔ بھاگتی ہوئی اپنے

کمرے میں جا تھی تھی۔

”میں جانتا نہیں چاہتی ماما! اگر میرا چلے جانا زیادہ بہتر ہے۔ شاید آپ مجھے ساتھ لاکر پچھتاری ہیں۔“ وہ ایک لمحہ کے لیے کھڑی تھی۔

”میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔“ وہ کہنے کے بعد کچھ لمبے رکی تھی۔ شاید ماما کچھ کہیں مگر وہی صبح کو کھانا لے کر قریبی خاوشی تھی اور ہانیہ خاوشی سے چلی تھی۔ اس نے ماما کو اطلاع نہیں دی تھی۔

”ایک خیال سا تھا۔“ عالیہ ماما اسے روک لیں۔

”پورے چار گھنٹے کا سفر تھا۔ وہ سیدھا ”حمہ دلا“ آئی تھی۔ وہی چاکلیسی لائنوں والا سفید خوبصورت گھر جس کے دروازوں سے آج بھی اس کا بچپن لپکتا تھا۔

”کتنے انمول لمحے اس کی گھڑیوں دروازوں سے جھانک کر اسے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔“

”ہانیہ! اور وہ۔“

”میں نے کئی کئی بار اس کی طرح ایک دروازے کے ساتھ منسلک۔“

”اور اب۔“ ہانیہ کا دل بھر آیا۔ گیسٹ کھلا تھا اور چکیدار غائب۔

”عروض لان عبور کر کے وہ اندر چلی آئی مگر ایک دم سے اجنبیت کے احساس نے گھیر لیا۔ یہ گھر اب کسی اور کی ملکیت تھا اور اس احساس کے ساتھ شاید اس نے پہلی بار سوچا کہ وہ پایا کی دوسری بیوی سے کس طرح لے گی۔ پورے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ نجانے کیوں وہ عین اپنے بندہ روم کے سامنے رکی تھی۔ ایک طویل سانس لے کر اس نے دروازہ کھولا اور چپکے سے اندر داخل ہو گئی۔ مگر اسے ٹھٹھک کر رکنا پڑا۔ اس کے قدموں کے نیچے گرین ٹارپٹ کی جگہ براؤن ٹارپٹ تھا اور اندر داخل ہوتے ہی جس پینٹنگ پر نظر پڑا تھا وہ بھی غائب تھی۔ تب ہی ہانیہ نے سر اٹھا کر کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا تو ایک تہہ کا سا لگا تھا۔

یہ اس کا بندہ روم تو نہ تھا۔

”وہ چلی تب ہی اس کی نگاہ کی گرفت میں رہا۔“

”ہر دھڑکی ایک اجنبی نوجوان کی تصویر پر پڑی تھی۔“

”ایکسی کمزوری! بھاری سروانہ آواز پر وہ کرنٹ کھا کر بیٹھی۔“

”آپ۔۔۔ آپ کون ہیں؟“ وہ گڑبڑاتی ہوئی تھی۔

”ایک دم اسے احساس ہوا کہ یہ گھر اب اس کا نہیں۔ اور اسے یوں بلا اجازت اندر داخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خود بارون سکندر رملک جینز اور ریڈ ہائی ٹیک جرسی اور اسکارف میں ملبوس اس پریشان سی لڑکی کو اپنے بندہ روم میں اتنی بے تکلفی سے کھڑا دیکھ کر شدید سارہ گیا تھا جو اسے دیکھ کر پریشان سی ہو گئی تھی۔“

”میں بارون سکندر ہوں اور آپ؟“ اس نے سر تاپا ہانیہ کا جائزہ لیا۔ وہ کچھ پزل سی ہو کر ہتھیلیاں مسلتے لگی۔

”آپ بول سکتی ہیں؟“ اسے یونہی خاموش دیکھ کر بارون کو کتنا پڑا۔

”میں۔ میں ہانیہ احمد ہوں اور یہ میرا۔۔۔ میرا گھر ہے۔“

”بارون سکندر یوں مسکرایا جیسے کسی بچے کی نادانی پر مسکرایا جاتا ہے۔ وہ اس کی مسکراہٹ پر تآؤ کھا گئی۔“

”میں ہانیہ احمد ہوں۔ احمد حسن کی بیٹی اور یہ گھر میرا ہے۔“ اب کے اس کا لہجہ مضبوط مگر قدرے جھنجھلا رہا تھا۔

”مجھے یقین ہے کہ آپ ہانیہ احمد ہی ہوں گی۔ مگر سوال یہ ہے۔“ اس نے گیلہا تو لیکہ بند پر اچھالا اور ڈر تنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر گیلے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔ ہانیہ احمد کا عکس ڈر تنگ ٹیبل کے آئینے میں منعکس ہو رہا تھا۔ وہ دوبارہ اس کی طرف پلٹا۔

”اگر یہ گھر آپ کا ہے تو میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟“

اس کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی اور گہری آنکھوں کی زد میں اس کا پورا وجود تھا۔ ہانیہ اپنا اعتمار کھونے لگی۔ گھر میں چھائی پر اسرار سی خاموشی کا

اور اک اسے شعوری طور پر ہونے لگا تھا۔ وہ بغیر کچھ کے چلی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

”ہانیہ احمد۔“ وہ اس کے پیچھے نکل آیا تھا۔ ہانیہ ہلو کے پاس ذرا کی ذرا رکی۔

”آپ شاید ڈر گئیں۔“

”نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ مگر وہ بڑل ضرور تھی۔ پھر وہ بغیر اس کی طرف دیکھے بولی تھی۔

”میں چلتی ہوں۔“

”کہاں؟“

ہانیہ ایک لمحے کو سوچ میں ڈوب گئی۔

”آپ غالباً چیچا وطنی سے یہاں آ رہی ہیں؟“

ہانیہ احمد کا سر بے اختیار اثبات میں ہلاتھا۔

”آپ کے فادر نے سہ گرج کیا ہے؟“

ہاتھ۔

”جواب؟“ ہانیہ احمد نے ایک جھٹکے سے سراٹھا کر

بارون سکندر کو دیکھا۔ اسے یقیناً ”شاک“ لگا تھا۔

بارون سکندر نے پوری طرح اس کی کیفیت محسوس کی تھی۔

”آپ میں آپ کو آپ کے فادر کا ایڈریس دیتا

ہوں۔“

ہانیہ ایک قدم بھی نہیں بل سکی۔ دماغ ایک دم سن

ہو گیا تھا۔ بارون سکندر واپس کمرے میں چلا گیا۔ وہ

تب بھی وہیں کھڑی رہی۔ ایک اوجھ منٹ کے بعد

واپس آکر اس نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

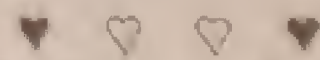
”یہ آپ کے فادر کا ایڈریس ہے۔“

ہانیہ نے یونہی ہاتھ بڑھا کر کارڈ تھام لیا۔

”میں آپ کو ڈراپ کروں؟“ بارون نے اس کی

کیفیت کے پیش نظر آفر کی۔ ہانیہ نے نفی میں سر ہلایا

اور باہر نکل آئی۔



”میں وہ گھر پہنچتا نہیں چاہتا تھا مگر بزنس میں اتنا بڑا

نقصان پایا سگار سلگاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ہانیہ

نے ایک نظر اپنے گریس فل سے پیار ڈالی۔

”میں نے تو تب بھی کچھ نہ کہا تھا جب آپ نے

دو سری شادی کی۔“

پاپا خاموش سے ہو گئے۔ ہانیہ پھر سے لان میں کھڑ

پھولوں کو شمار کرنے لگی۔ وہ اس وقت پاپا کے سنے کمر

میں تھی۔ پاپا کی سیکنڈ وائف فادرن ٹور پر تھی اور شاید

ان دونوں اسی لیے پاپا سے اتنے اصرار سے بلا رہے

تھے۔

”تم۔ تم خوش تو ہو ہانیہ۔“

ہانیہ ایک لمحے کو خاموش رہی پھر پوری سچائی سے

بولی تھی۔ ”نہیں۔“

پاپا خاموش ہو گئے۔ ”اور۔ اور عالیہ!“

انگلے سوال پر ہانیہ نے بغور انہیں دیکھا۔ وہ نظریں

چرا گئے۔

”کیا انہیں خوش ہونا چاہیے۔“ ہانیہ نے انسا سوال

کیا۔

”یہ سب عالیہ کا قصہ ہے۔ میں دو سری شادی ہی

تو کر رہا تھا اسے چھوڑ تو نہیں رہا تھا۔ خود بھی چلی گئی اور

تم کو بھی ساتھ لے گئی۔“ پاپا نے ہنسیلا ہٹ آمیز

ایک لڑائی میں کچھ جانے والے سگار کو دیکھا۔

”وہ مجھے رز دیتی تھیں۔“ ہانیہ نے گئی تھیں میں گئی تھی

ان کے ساتھ کیونکہ ماما بہت اکیلی ہو چکی تھیں اور اس

لمحے انہیں میری زیادہ ضرورت تھی۔“ ہانیہ کا لہجہ

ٹھوس تھا۔ پاپا نے بغور اسے دیکھا پھر پوچھنے لگے۔

”جنت جنت گئی ہو اپنی ماما سے؟“

”جی بہت زیادہ شاید۔ شاید آپ سے بھی

زیادہ۔ مگر ماما کو مجھ سے محبت نہیں ہے اور جس

طرح انہوں نے مجھے بے وقعت کیا ہے۔“

بے اختیار بات اور صوری چھوڑ کر اس نے لب

بھینچے۔

”کیا۔ کیا کا تھا عالیہ نے؟“ پاپا بے قرار ہو کر

پوچھنے لگے۔

”کچھ نہیں۔“ ہانیہ ان دونوں کے درمیان مزید

فاصلے پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا پاپا کو یہ

بات اتنی ہی بری لگے گی جتنی کہ ہانیہ کو لگی تھی اور پاپا

بھی جانتے تھے اب ہانیہ انہیں کچھ نہیں بتائے گی۔

”اچھ کر تے ہیں۔“ وہ بات بدل گئے لہجہ خاصا
اہتمام تھا اور پایا ایک ایکوش اس کے سامنے رکھ کر
اپنے ساتھ رسیے کی تلافی کرنے کی کوشش کر رہے
تھے۔

لہجہ کے بعد بھی وہ اس کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے
اور ہر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور وہ ہوں ہاں کرتی
جھینل بدلتی رہی۔ اسے پایا کو سننا اچھا لگتا تھا مگر کچھ
اجنبیت کا احساس بھی تھا اور جب اگلے دن بھی پایا کی
بکی روئیں رہی تو وہ کہہ گئی۔

”پاپا! آپ میری وجہ سے خود کو پابند مت کریں۔
میں اپنی دلچسپیاں خود بخود ٹھونک لوں گی۔“
اور پایا نے گاڑی کی چابی اس کی طرف کھسکادی
تھی۔

”خجوائے پور سیلف مائی ڈائزر۔“
اور اگلے کئی دن اس نے لاہور کی سڑکیں پالی
تھیں۔ نہ کسی رشتے دار کے گھر گئی اور نہ کسی فریڈ
سے ملی۔ کوئی سربراہ مل بھی جاتا تو یوں نظر انداز کرتی
جیسے کبھی ملی ہی نہ ہو۔ یونہی کسی سے بات کرنے کو
من ہی نہ کرتا تھا۔

اس دن موسم صحت خو بصورت تھا۔
بلکہ کچھ من سچ سے جاری تھی جس نے موسم کی
خو بصورتی کے ساتھ ساتھ سردی کی شدت میں بھی
اختلاف کر دیا تھا۔ بارش کی توجہ گرم شال پوشی ملازم کو
کافی کا کہہ کر لان میں نکل آئی۔ دھیمان بھٹک کر ماما کی
طرف چلا گیا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی ماما نے ایک
بار بھی فون نہیں کیا تھا۔

شاید وہ بھی چاہتی تھیں۔ اس نے زور سے سر
جھٹک کر اس سچ سے چیخا چھڑانے کی کوشش
کی۔ تب ہی چونک کر اترنے گئی کھولا تو ایک گاڑی
پچھلتی ہوئی اندر چلی آئی۔ بارون سکندر نے اسے لان
میں دیکھا تو سیدھا وہیں چلا آیا۔ اس کے ہاتھ میں ادھ
کھلے گلابوں کا خو بصورت بو کے تھا۔

”ہیلو۔“
”ہیلو! مگر آپ کی سسز تو۔“ ہانیہ نے کہنا چاہا۔

”میں ان سے ملنے نہیں آیا۔“ وہ مسکرایا۔
”پاپا بھی۔“
”مجھے ان سے بھی نہیں ملنا۔“
”تو۔“ ہانیہ نے قدرے ناگواری سے اسے
دیکھا۔

”یہ میں آپ کے لیے لایا تھا۔“ اس نے گلہ ز
ہانیہ کی طرف بڑھایا۔
”میرے لیے گھر کیوں؟“
”کیوں؟“ وہ زور سے ہنس دیا۔ ”بڑا بڑا
سوال ہے۔“

”مگر میرا دل نہیں چاہ رہا یہ بھول لینے کی۔“
”نیور مائنڈ۔ ڈسٹ پر ہل چھینک دیتے گے۔ مگر
لینے کے بعد۔“ اس کا لہجہ خو بصورت اور مستقیم تھا۔
ہانیہ نے گویا مجبوراً ”وہ گلہ ستہ تھا ماما تھا۔“

”تھنک یو۔“ اس نے ایک بھر پور نگاہ ہانیہ اور
وہاں جو نبھانے کس سوچ میں ڈوب گئی تھی۔
”میں اب چلتا ہوں۔“
”بس۔“ ہارون سکندر نے کہا۔ پھر ہنس دیا ہانیہ
دل چاہتی۔

”بہنیں! میں کافی منگواتی ہوں۔“ اسے میز پر
یاد آئے۔
”نیکسٹ ٹائم۔“ وہ ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ ہانیہ
جھٹک کر بھولوں کو دیکھتی بید روم میں آئی۔ بجائے

کیوں ماما سے بات کرنے کو دل چاہنے لگا تھا اس نے
بو کے بیڈ پر رکھ کر نمبر ڈائل کیا۔ وہ سری نیل پر ریسپر
عبدال نے اٹھایا تھا۔
”عبدال! میں ہانیہ! اما کہاں ہیں؟“

”ہانیہ لی بی! وہ تو اپنی اپنی گھر گئی ہیں۔ اسی دن
سے جب آپ یہاں سے تھیں۔“ عبدال نے سلام
کے بعد بتایا تھا۔

”اچھا۔“ وہ پپ پی ہوئی۔
”آپ ادھر فون کر لیں لی بی۔“

”ہاں کر لوں گی۔“
”صاحب! جھٹک ہیں لی بی؟“
”ہاں۔“ ہانیہ نے کہا۔ ”ہانیہ نے آہستگی سے
کہا اور فون بند کر دیا۔“

”تو پاپا! آپ۔“ چاہتی تھیں کہ میں درمیان سے
نکل جاؤں۔ میں آپ کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکی ماما۔
نکل جاتی تھی اور بھی ہوتی ہے۔ میں تو کبھی یہ بھی نہ جان
سکی کہ آپ چاہتی کیا ہیں؟“

”گالی کے غبار نے دل کے شفاف آئینوں کو
دھندلا دیا تھا۔“
”تمہاری ماما کا فون آیا تھا۔“ فون پر پایا نے اسے
بتایا۔

”اما کا کب؟“ ہانیہ نے بے تابانہ انداز میں
پوچھا۔ پایا نے ایک بل کو اس کی بے تالی محسوس کی پھر
پلیٹ میں چکن کا پیس ڈالتے ہوئے بولے تھے۔
”آپ گھر نہیں تھیں۔ رات میں رنگ کر لیتا
مگر آپ جا رہی تھیں۔“

”ہانیہ! خاموش رہی۔“ کچھ دیر پلیٹ میں جا دلوں سے
کھانے کے بعد اس سے رہا نہ گیا تو چیخ چھوڑ کر کھڑی
ہو گئی۔
”میں پہلے فون کر لوں۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔“

پاپا کچھ نہیں بولے خاموش ہی رہے۔ ہانیہ نے
نہر نہیں کیا وہ سری طرف ماما ہی تھیں۔
”اما۔“
”ہانیہ! میری جان کہاں چلی گئی ہو تم؟“ وہ گویا رو
پڑی تھیں۔

”اما! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ریلیکس۔“ قدرتی طور پر
”تھوڑا سا پریشان ہو گئی تھی۔“
”میری بات مان لو ہانیہ! پلیز واپس آ جاؤ۔“
ہانیہ جو ان کے لیے پریشان ہو گئی تھی ان کی اس
بات پر بری طرح ہرٹ ہو گئی۔

”ہانیہ! تم نے کیا سوچا ہے؟ میٹا! بتاؤ نا۔“
”کچھ سوچنے کے لیے چھوڑا ہے ماما آپ نے۔“ وہ

ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ ”یہی ہونچہ لیتیں کہ
ہانیہ تم جھٹک تو ہو۔“
”ہانیہ! میری بات مان لو۔“ وہ جتنی لمبے میں کہ
رہی تھیں۔

”کیوں فورس کر رہی ہیں مجھے۔“
پاپا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جبکہ ماما کہہ رہی
تھیں۔
”رامش نے انکار نہیں کیا ہانیہ! وہ تو۔“

”اس نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے ماما! ہانیہ احمد
کے لیے اس سے بہتر پروپوزل تو آئی نہیں سکتا۔“ وہ
زہر خند لہجے میں بولی تھیں۔
”ہانیہ! اتم یسین کرو وہ لوگ۔“

”اما! اس ٹاپک کو بند کر دیں۔“
”ہانیہ! اتم میری بات کیوں نہیں سن رہی ہو؟“
اور ہانیہ نے فون بند کر دیا۔ ماما کوئی اور بات ہی
نہیں کر رہی تھیں۔

”سم تھنک رائٹ۔“ پایا نے پوری طرح اس کے
سرے پر چھپے تناؤ کو محسوس کیا۔
”پاپا کیوں۔“ کیوں کر رہی ہیں ماما میرے ساتھ
اس طرح۔“ وہ ضبط کے آخری مراحل میں تھی۔

”کیا ہوا بیٹے اپنے پایا کو بتاؤ۔“ پایا کے نرم لہجے پر وہ
بکھری گئی۔
”بولیں پاپا! آپ کی بیٹی اتنی بے وقعت و بے
حیثیت ہے۔“ سب کچھ بتا کر وہ پوچھنے لگی۔ انہوں
نے بے اختیار جھٹک کر اس کی پیشانی چوی۔

”میری بیٹی بہت انمول ہے۔ کوئی ہے اس جیسا۔“
تمہارے لیے تو اتنے بڑے بڑے گھرانوں سے پرپوزل
آئے ہیں۔ وہ رامش کیا حیثیت رکھتا ہے۔“
”تو ماما مجھے کیوں فورس کر رہی ہیں پاپا؟“ وہ الجھ گئی
تھی۔

”میں جانتا ہوں عالیہ کے دل میں کیا ہے؟“
ہانیہ نے چونک کر پایا کو دیکھا۔
”وہ تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتی ہے۔ وہ یہ
ثابت کرنا چاہتی ہے کہ تم اس کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو۔“

ایک اتارست عورت سے وہ بچا دکھانا چاہتی ہے
مجھے "پاپا زبردست لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ہانیہ ایک
طویل سانس لے کر رہ گئی۔

"میری خوفناک آپ کی طرف سے ہے۔"
"بے بنیاد ہے۔ میرا ایسا کوئی ارادہ ہوتا تو تمہیں
کبھی اس کے ساتھ نہ جانے دیتا۔" وہ فوراً بولے۔
"میں جانتا تھا کچھ بھی ہو جائے میری بیٹی میرے پاس
ہی رہے گی۔"

"پاپا! آپ اتنی ہی بات کیوں تسلیم نہیں کر لیتے کہ
میں آپ دونوں کی اولاد ہوں۔ آپ کوئی بھی غلطی
کریں ایک دوسرے کو کتنا بھی دس بارت کریں میں
آپ دونوں سے محبت کرتی ہوں۔"

"آئی نو مائی ڈائرن۔" پاپا نے دھیرے سے اس کا گل
تھپتھپایا۔ "ہر ایک بات پر یقین کرو۔ تمہاری ماما
تمہیں فوراً نہیں کر سکتیں۔"
پاپا کے پریچین لہجے پر وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥ ♥
فک یادوں بھری شام کے سائے در و دیوار پر
اترے تھے۔ کافی دیر پہلے کافی کاف کاگ ہاتھ میں لیے
نیرس پر نکل آئی تھی اور اب آسمان پر نظریں جمائے
سوچ رہی تھی۔

"تمہی بے رنگ اور بے کیف زندگی ہو گئی ہے۔"
جیسے جیسے کچھ رہا ہی نہیں۔

"صرف مجھے خواہوں کے لیے۔"
ایک مختصر لہجہ اس کی سماعتوں میں گونج رہا۔ وہ بری
طرح چونک گئی۔ پھر سر جھٹک کر رہ گئی۔

"کچھ لوگ نہ جانے کیوں پہلی ملاقات میں ہی متاثر
کر جاتے ہیں۔"
"ہیلو۔"

ہانیہ چونک کر چلی پھر ہارون سکندر کو سامنے دیکھ کر
ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ نہ جانے کیوں یہ شخص
اس کے پیچھے ہی پر گیا تھا۔ اکثر چلا آتا۔ ہانیہ جزیب ہو کر
رہ جاتی مگر اس کا شرفانہ اور معقول انداز ہانیہ کو کچھ
بھی کہنے سے باز رکھتا تھا اور پھر وہ پاپا کی سیکندرا آف کا

فرسٹ کزن بھی تو تھا۔

"ہیلو! اس کے ہاتھ میں حساب معمول سر
مکاپوں کا گلدستہ تھا جو اس نے ہانیہ کی طرف بڑھایا۔
"آپ نے کبھی پوچھا نہیں ہارون سکندر آپ سے
جانے کے بعد میں ان پھولوں کا کیا کرتی ہوں۔ ہانیہ
نے گلدستہ تمام کر پوچھا تھا۔

"جو کچھ بھی ہو ان پھولوں کا نصیب۔" سر
معمول اس نے بات ہی ختم کر دی۔ ہانیہ نے جھنجھلا کر
اسے دیکھا۔ پھر پھول سفید میبل پر تقریباً پختہ
"آپ یہ پھول مت لایا کریں۔ مجھے اچھا نہیں
لگتا۔"

"اوکے۔ نہیں لاؤں گا۔" وہ نہ جانے کس سوز میں
تھا بہت آرام سے گدھے اچکا کر یوں بولا جیسے کوئی
سے ہانیہ نے اسے کبھی پھول لانے سے منع نہ
کیا ہو۔

"آج کافی نہیں پلو میں گی۔" ہارون نے اس کے
بولنے سے قبل ہی اوہرا دھڑک کر بات بدل دی۔

ہارون نے اسے گدھے "خندہ کی گدھے" دونوں
کا کردہ کرک پر جھانکے گی اور کافی کے سائے اور
ہونے تک ہانیہ نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔
ہارون سکندر ہی پوتا رہا۔ اپنی دلچسپیاں اپنے
شوق و آہنی سنی کرتی رہی اور اس بات پر جرتی رہی
کہ وہ اسے برا سمجھ کر رہی ہے۔

"ہارون سکندر! مجھے نہیں جانتا ہے۔" بہت دیر کے
بعد اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک دم خاموش ہو گیا۔
"اوکے" اس نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پینٹ
کی جیبوں میں گھسائے اور دھند میں کھلے اوتھ کھلے
گلاب جیسی لڑکی کو بغور دیکھا۔

"سنو ہانیہ! مجھے نہیں معلوم کہ تم میرے بارے
میں کیا فیلنگز رکھتی ہو مگر میں تم سے شادی کرنا چاہتا
ہوں۔"

کس آسانی سے کہہ گیا تھا۔ ہانیہ ساکت رہ گئی۔
"تم نے جواب نہیں دیا؟"
"تم یہاں سے پٹے جاؤ۔" وہ دھیرے ہوئے لہجے

میں بولی تھی۔
"جو ابھی لے رہی۔" اس کا لہجہ
"مجھ کو تم نے کوئی سوال نہیں کیا۔" اس کا لہجہ
بات ہو گیا تھا۔
"میں نے سوال کیا ہے ہانیہ احمد۔" وہ ٹلنے والا

نہیں تھا۔
"مجھے کسی سے شادی نہیں کرنا۔"
"میں سے بھی نہیں" اس کا پاپا سئل۔ "وہ خیر آمیز
ہی نہیں۔"

ہانیہ نے اس سے نہیں۔ "ہانیہ کے لہجے میں
"میں از کرم تم سے نہیں۔" ہانیہ کے لہجے میں
"ہاں۔" ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔

ی نہیں ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔
"اوکے۔ اوکے۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تفنگ، مجھے جانا
چاہیے۔"

ہانیہ خاموش رہی، مگر اس کے انداز گیٹ لاسٹ
ہانیہ نے "ہانیہ" ہانیہ سر جھٹک کر اپنے غصے
کو دھارنے کی کوشش کرتے ہوئے۔
♥ ♥ ♥ ♥ ♥

"ہارون سکندر اچھا نوجوان ہے۔"
چند دنوں بعد ہی جب پاپا نے نیوز سنتے ہوئے
اچانک کہا تو وہ جو کچھ ضرور مگر کوئی کچھ نہیں۔
"ہانیہ! آپ سن رہی ہو؟"

"ہانیہ! آپ سن رہی ہو؟"
"تمہارے خیال میں وہ کیسا شخص ہے؟"
ہانیہ ہانسی گئی پاپا کیوں پوچھ رہے ہیں۔ تب ہی کچھ
ذہن کے بعد بولی تو اس کا لہجہ سرسری سا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"
"اس نے تمہیں پر پوز کیا ہے۔"
"تو آپ نے کیا جواب دیا۔" اس نے گردن گھما کر
دیکھنا لگا۔ پاپا کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرائے۔

"جواب مجھے نہیں آپ کو دینا ہے، بیٹے۔"
پاپا نے اسے ایک دم سے معبر کر دیا تھا۔

"کہتے مختلف لکے پاپا ماما۔" وہ شامت سی ہو کر
سوچنے لگی اور پاپا کہہ رہے تھے۔
"کچھ دنوں تک اس کے قادر اور مدر انگلیڈ سے
والیس آ رہے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ان۔"

"پاپا! آپ کی سیکندرا آف کا کزن ہے۔"
"تو؟" پاپا نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔
"پاپا! ماما۔ ماما راضی نہیں ہوں گی۔" وہ سر جھٹکا کر
رہ مٹ کشتول سے کھیلے ہوئے بولی۔

"مگر ہارون سکندر خاصہ آفندی کا کزن نہ ہوتا تو
کیا تمہاری ماما راضی ہو جاتیں؟" انہوں نے اچانک
پوچھا اور ہانیہ اچھی طرح جانتی تھی، ماما رامش کے
علاوہ کسی اور کے لیے ہرگز راضی نہ ہوں گی۔ تب ہی
ایک خیال سا فہم میں آیا۔

"پاپا! کیس۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی اور پاپا
ایک بل میں جان گئے وہ کیا سوچ رہی ہے تب ہی سر
جھٹکتے ہوئے بولے۔

"تو۔ نو مائی چائلڈ۔ میں تمہیں ہرگز فورس نہیں
دوں گا۔ تم جو بھی فیصلہ کرو، میرے اور اپنی ماما کے
مابین سے بالکل آزاد ہو کر اور یہ سوچ کر کرو کہ زندگی
میں گزارنی ہے۔ خواہ تمہارا فیصلہ رامش کے حق
میں ہو یا ہارون کے۔ تمہارے لیے ہر حال یہ آخری
پروپوزل نہیں ہے۔"

پاپا نے فیصلے کا حق اسے دے کر پھر سے انمول
کر دیا۔

"میں سوچوں گی پاپا۔"
نہ جانے کس سوچ کے زیر اثر اس نے یہ جملہ کہا
تھا۔ پاپا کے لبوں پر دم حم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥ ♥
"لیکن آپ ہیں کون؟"
"محافظ اس سر زمین کا۔ اس کی سرحدوں کا" میاں
کے لوگوں اور۔"

"اور۔"
"آگے لائن خالی ہے تم چاہو تو پر کر لو۔"
وہ جب بھی کچھ سوچنا چاہتی، براؤن آنکھیں اس

وہ جب بھی کچھ سوچنا چاہتی، براؤن آنکھیں اس

"یاما۔" اس نے بے یقینی سے یاما کو دیکھا تو انہوں

نمبر

سب چه شور و پای سب چه - سب چه مری

سب کو حیرت ہوئی کہ تم انہیں اس حالت میں

چلی کس طرح گئیں۔ وہ رات کو سوتی نہیں تھیں۔ بار بار یہی کہتی تھیں کہ احمد حسن اب ہانیہ کو کبھی نہیں آنے دے گا اور جب ہم کہتے کہ ہانیہ کو فون کر کے بلوا لیتے ہیں تو صاف انکار کر دیتیں۔ ہمیشہ یہی کہتیں کہ میں دیکھنا چاہتی ہوں میری محبت میں کتنی طاقت ہے۔

”سیمل! اما کو یہ خوف کیوں ہے کہ بابا مجھے ان سے ملنے نہیں دیں گے۔“ ہانیہ نے اچانک پوچھا۔ سیمل گڑبڑا سی گئی۔ پھر کندھے اچکا کر بولی۔

”میں کیا جانوں۔ شاید اپنے حالات کی وجہ۔“

”کچھ اور کچھ اور بھی سے ناما کے دل میں۔“

”مجھے کیا معلوم پچھو کے دل میں کیا ہے۔ مگر ان کی بلکہ ہم سب کی کسی خواہش بھی کہ ہم اس گھر میں

خیر چھوڑ دو جو تمہارا اور تمہاری قسمت کا فیصلہ۔“ وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

”میرا اور میری قسمت کا فیصلہ۔“ اس نے زیر لب

دہرایا۔ ”میں کون سا فیصلہ میرا ہے اور کون سا

میرا؟“ سیمل نے قدرے حیرت سے اسے

دیکھا۔

”مطلب بھی کیا نہیں۔“ وہ پھکی سی ہنسی ہنس

دی۔

”میرے بھائی میں کوئی کمی تو نہ تھی ہانیہ۔“ سیمل

چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی۔

”جانتی ہوں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔ ”او چلتے

ہیں۔“

تب ہی دائیں طرف کے درختوں کی اوٹ سے

سفید گھوڑا اچانک ان کے سامنے آ کر رکا۔ وہ

ٹھٹھک کر ٹھہر گئیں۔

”تم لوگ کہاں گھوم رہی ہو؟“ وہ کود کر نیچے اترا اور

ان کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔ ہانیہ احمد ششدر

سی رہ گئی۔

”یوں ہی گھومنے نکل آئے تھے رامش بھائی۔“

”رامش۔“ حیرت کا اگلا لمحہ اس کی آنکھوں میں

منجمد ہوا۔ تو ڈارک براؤن آنکھیں مسکرا دیں۔

”یہ ہانیہ احمد ہے۔“ سیمل نے تعارف کروایا۔

”کیسی ہو ہانیہ؟“ وہ متبسم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

جبکہ وہ خود فکر لکر کرا سے دیکھ گئی تھی۔

”رامش بھائی! کیا آپ لوگ ایک دوسرے کو

جانتے ہیں۔“ سیمل نے قدرے حیرت سے دریافت

کیا۔

”ہانیہ سے پوچھو۔“ وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا

گیا۔

”ہانیہ۔“ سیمل اس کی طرف پلٹی تو ہانیہ چونک گئی

۔ اس نے اک سلتی نظر رامش پر ڈالی اور خفگی آمیز

لہجے میں بولی۔

”میں کسی کو نہیں جانتی۔“ وہ تلخی سے کہہ کر پلٹ

گئی۔

”اس کو کیا ہوا؟“ سیمل نے حیرت سے پوچھا۔

رامش بس کندھے اچکا کر رہ گیا۔

♥ ♥ ♥

”خفا ہو؟“ وہ منہ کے انتظار میں بیٹھی تھی جب

رامش اس کے سامنے آ بیٹھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کروا دوں۔ مگر پھر سوچا

گھر میں ملاقات ہونا چاہئے گی۔ پھر میں واپس چلا گیا۔

بکری۔

”بس ٹھیک ہے نا ہماری ملاقات ایسے ہی ہونا

تھی۔“ وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔ شاید

ہمت نہیں پا رہی تھی۔ یا اپنے اندر اچانک جل اٹھنے

والے اور اک کے اک تھنے سے دیے سے خوفزدہ ہو

گئی تھی۔ اس نے اس شخص کو اک خوب صورت

خواب کی طرح سوچا بہت تھا۔

”مگر میں نے یہ بھی نہیں چاہا تھا کہ ہماری ملاقات

یوں ہو۔“ اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے رنگ

ابھرے۔

”رامش! آئی ایم ساری۔“ وہ بدقت بولی۔

”نہیں۔ تم نے انکار کر دیا۔ اچھا کیا۔ تمہیں حق

حاصل ہے۔ مگر میں سمجھوں گا کہ میرے جذباتوں میں
کھوت تھا۔ کہیں کوئی کمی تھی میری دعاؤں میں۔
اس کے تھمبر لہجے پر ہانیہ کا دل دھڑک اٹھا۔ اک
احساس زباں نے اس کے دل کا گھیراؤ کیا تھا۔
وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس نے مست دھیان سے سنا۔
رامش نے ایک بل کو اسے دیکھا۔ پھر میز پر ہتھیلی
کا دیو ڈال کر کھڑا ہو گیا۔
”تم جلی جاؤ گی تو میں ہم سب تمہیں یاد دہشت کریں
گے۔“

وہ کہہ کر چلا گیا تھا اور ہانیہ ساکت رہ گئی۔
”اور مجھے یوں ہی تو احساس نہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی
کمی کوئی غلطی ہو رہی ہے۔“
میز کی لٹھری سطح پر بیٹھائی نکلتے ہوئے اس نے
گوایا تھک کر سوچا تھا۔

”تمہارے پیلا آتے ہیں ہانیہ۔“ سیمل نے آکر
اطلاع دی۔ وہ جو شیراز کی اونٹ بھاگ باتوں کے
جواب میں ہوں ہاں کر رہی تھی تو ٹک گئی۔
”گناہ ہیں۔“
”لاؤں نہیں۔“ سیمل کچھ عجیبہ سی نظر آئی۔
”اور ملا۔“ وہ اٹھتے اٹھتے پوچھنے لگی۔
”وہ بھی وہیں ہیں۔“ سیمل نے شیراز کو دیکھا۔ ”تم
چلو میں چائے بھجوا رہی ہوں۔“ اور ساتھ ہی شیراز کو
اشارے سے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ ہانیہ سر ہلا کر
لاؤں کی طرف آئی۔

”تم نے مجھ سے میری بیٹی چھیننے کی سازش کی تھی
عالیہ بیگم۔“
”میں نے تم سے اپنی بیٹی مانگی تھی احمد حسن
بھکاری کی طرح جو اسن پھیلا یا تھا تمہارے ساتھ۔“
ہانیہ نے دروازہ ذرا سا کھول دیا۔ آواز اس طرح
طور پر آنے لگی تھی سیلا کہہ رہے تھے۔
”تم یہ حقیقت تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں عالیہ کہ
ہانیہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔ تم نے محض اسے
”پیلا کی سفاک آواز نے تیز دھار کھوار کی طرح
ہانیہ کے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سب سے پہلی سیلا
یقینی تھی سوہ گویا خلا میں معلق ہو گئی۔
”جب میں تمہارے گھر میں آئی تھی۔ تو مجھے
پہلے دن ہی احساس ہو گیا تھا۔ میں ان چاہی ہستی ہوں
مجھے میری ہانیہ کے لیے لایا گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں
اپنی سب سے گولی بھول سے وجود کو نفرت کی آگ میں جلا
کر رکھ کر دیتی۔ مگر احمد حسن میں نے ہانیہ کے وجود کو
اپنی ہتھیالیوں میں دعا کی طرح سنبھالا تھا۔ تم مجھے بھول
گئے۔“

”میں نے تمہارے گھر میں جھڑپیں
اور لڑائیوں کے معیاروں کے اک ہی پورے دیکھے۔
مگر میں ہانیہ کو بھی نہیں بھولی۔ اس کے وجود میں میرا
سکون تھا۔ چاہتی تو سب کچھ چھوڑ کر لوٹ آتی مگر میں
ہانیہ کی جان بن گئی۔ اک عمر گزار دی اس گمان میں کہ
میری کوئی بیٹی بنی ہوئی ہو۔ جیسی ہی ہوئی۔ تو پھر ہانیہ
کیوں نہیں پاگل ہو گئی تھی اس کی محبت میں۔“ ماما کی
آواز میں آنسوؤں کی آمیزش کی تھی۔
کہہ رہی تھیں۔ ہانیہ کو معلوم بھی نہ ہوا وہ کب
روئے گی۔

”تم نے میری شادی کی اجازت مانگی احمد حسن۔
میں نے روکا نہیں۔ میں نے کہا مجھے ہانیہ دے دو۔
میں اسے یہاں لے آئی۔ مگر میں نے اپنی بیٹی کو بہت
دیکھا ہے۔ اسی خوف کے ذریعہ بھی اسے پیار بھی نہ
کر سکی کہ تم اسے لے جاؤ گے۔ جب تم نے فون پر
مجھے بارڈن کے پرنسپل کے بارے میں بتایا اور ساتھ
ہی تم اصرار کے ساتھ اسے جانے لگے تو میں ڈر گئی۔“

”خوف نہ ہو جی۔ میرے پاس تھا ہی کیا ہانیہ کے سوا۔ مگر
کچھ سوچا ہی نہیں اور جلد بازی میں ہانیہ کو خود سے
لو اس گھر سے بد ظن کر بیٹھی۔“
”تو بارڈن کا پرنسپل۔ پیلا نے تسلیم کھیلا۔“ وہ
ایکٹھان ہانیہ کو بلا گیا۔
”تم نے کہا عالیہ اگر میری بیٹی تمہارے ساتھ رہے
گی تو تم اپنے بھائی کے گھر نہیں رہو گی۔ میں نے ہانیہ
کے لیے علیحدہ گھر بھی لے لیا تھا۔ مگر اب اب
احساس ہو رہا ہے وہ تمہاری بیٹی تھی اور میں میں
نے آندہ جیوں میں چراغ جلانے کی کوشش کی تھی۔
انجام تو یہی ہوتا تھا۔“

”میں نے تمہارے گھر میں جھڑپیں
اور لڑائیوں کے معیاروں کے اک ہی پورے دیکھے۔
مگر میں ہانیہ کو بھی نہیں بھولی۔ اس کے وجود میں میرا
سکون تھا۔ چاہتی تو سب کچھ چھوڑ کر لوٹ آتی مگر میں
ہانیہ کی جان بن گئی۔ اک عمر گزار دی اس گمان میں کہ
میری کوئی بیٹی بنی ہوئی ہو۔ جیسی ہی ہوئی۔ تو پھر ہانیہ
کیوں نہیں پاگل ہو گئی تھی اس کی محبت میں۔“ ماما کی
آواز میں آنسوؤں کی آمیزش کی تھی۔
کہہ رہی تھیں۔ ہانیہ کو معلوم بھی نہ ہوا وہ کب
روئے گی۔

”ہانیہ نے کہا تو وہ بڑے ضبط سے مسکرائیں۔
”ہاں کیوں نہیں۔“
”تو چلیں۔“ ہانیہ نے ننھی بچی کی طرح ان کا ہاتھ
خام لیا۔ لاؤں میں سب سی ان کا انتظار کر رہے تھے۔
اک سکوت سا طاری تھا۔
”چلیں ہانیہ۔“ پیلا گویا اسی کے انتظار میں تھے۔ ماما
کے ادا سے تسکین کی گئی۔

”پیلا! ہانیہ نے ایک نظر سب کو دیکھا پھر احمد حسن
کے سامنے آئی تھی۔
”میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔“
”ہانیہ!“
”میں ماما کے ساتھ رہوں گی بیٹھ اور میں وہیں
شادی کروں گی جہاں ماما چاہیں گی۔“ اس نے ٹھوس
لہجے میں کہا اور پھر رکی نہیں ان سب کو ہکا بکا چھوڑ کر
سکڑے سے باہر نکل گئی تھی۔
”ہانیہ! ہانیہ! تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔“
شیراز اور سیمل فوراً اس کے پیچھے آئے تھے۔
”اس میں سوچنے کی بجائے وائی کیا بات ہے۔ ماما کی
ریاضتوں کا کچھ تو صلہ ہو۔ بہت حکیم ہیں سیمل اور
میں۔ میں بہت بری ہوں۔ میں نے انہیں بہت دکھ
دئیے ہیں۔“ وہ رو رہی تھی۔
”آپ بہت اچھی ہیں ہانیہ! یقین کر لیں کہ وہ کد
ہم کہہ رہے ہیں۔“ شیراز نے تسلی دی تھی۔ تب ہی
ماما جلی آئیں۔ اک شادی مرگ کی سی کیفیت تھی
پاؤں زمین پر نہ پڑ رہے تھے۔ اسے گلے سے لگا کر رو
پڑیں۔ مگر ان آنسوؤں میں خوشی کا رنگ غالب تھا۔
”تم نے تو مجھے مالا مال کر دیا ہانیہ۔“
”آپ نے مجھے معاف تو کر دیا ماما۔“
”معافی کس بات کی؟“ انہوں نے ہتھیالیوں سے
اس کے آنسو صاف کیے۔
”میں نے آپ کو بہت غلط سمجھا تھا ماما۔“
”تو اب تلافی بھی تو کر دی۔“
سیمل نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو علیحدہ کیا۔ تو وہ
دونوں آنسوؤں میں مسکرا دیں۔

UrduPhoto.com